ماہنامہ

قلندرِ شعور

مئی ۲۰۱۹ء

سکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور روح کے عرفان کے بغیر سکون نہیں ملتا

زمین اسکرین ہے جس پر ــــ
تخلیقات کا عکس منعکس ہوتا ہے۔

جلد 7 شمارہ 4 | مئی 2019ء | شعبان ــ رمضان 1440ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ شعور کراچی

قلندر شعور

Neutral Thinking

(اردو ــ انگریزی)

سرپرست اعلیٰ

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

چیف ایڈیٹر

خواجہ شمس الدین عظیمی

ایڈیٹر

حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر

محمد ایاز

بااہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس ــ پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 70 روپے..... سالانہ ہدیہ 950 روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ، بیرونِ پاکستان 60 امریکی ڈالر سالانہ

B-54، عظیمی محلّہ، سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان۔ فون نمبر: 6912020 213 (0) 92+

۳۵ مضامین کا گُل دان

حمد باری تعالیٰ	ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی	10
نعت رسول مقبول ﷺ	ادیبؔ رائے پوری	11
رباعیات	ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ	12
آج کی بات	مدیر مسئول	14
فقیر کی ڈاک	ادارہ	20
نامے میرے نام	خانوادہ سلسلہ عظیمیہ	23
چپ کا روزہ	سید اسد علی (MBA)	27
جسم کی زکوٰۃ	نفیسہ شاکر	33
مظاہر کی نفی	اظہر حسین	37
ربّا میرے حال دا محرم توں	ادارہ	41
تین میں نہ تیرہ میں	بلال حسن زئی	47
بلاعنوان	عابد محمود	53
فلسفہ ــــ عمر خیام	عثمان طاہر	59
مرشد کی باتیں	عائشہ خان (M.A-Mass Comm.)	65
اقتباسات	قارئین	71
بچے کیا سیکھتے ہیں ــــ؟	حماد علی شاہ	75
پرندوں کا روزہ	نعیم قریشی (M.A-Islamic Studies)	81

مجھے آفتاب مل گیا — روزینہ ملک 87

گونگے بہرے اندھے — عاطف زمان (MBA) 91

فروری 2019ء کے سرورق کی تشریح — قارئین 97

حضرت ذوالنون مصریؒ — تالیف: قرۃ العین واسطی (M.A-Mass Comm.) 101

دہی — محمد سعید انور (M.D—Alternative Medicines) 109

لاشعور کا شعور — حامد ابراہیم (M.A-Fine Arts) 111

آدمی اور جانور — خاتون اکرم 117

اللہ میاں کے باغ کے پھول —

اولی الالباب بچے — ادارہ 123

مچھلی جل کی رانی — نگہت محمود 125

غبارے — سارہ خان (M.A-Mass Comm.) 131

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر — خواجہ شمس الدین عظیمی 135

The Diary of Birds — Hazrat Farid al-Din Attar (RA) 147

The Universe — Dr. Naeem Zafar (Ph.D.) 150

The Sincere Trap — Muniza Azhar 153

Prophet Solomon (PBUH) — Extracted 158

Fasting - The Path to God — Bibi Anuradha (UAE) 161

Hazrat Habib Ajami (RA) — Muhammad Zeeshan 167

Message of the Day — K. S. Azeemi 172

ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی

حمد باری تعالیٰ

ذات ہے اس کی عظیم اور نام رحمٰن و رحیم
لطف ہے اس کا فراواں، فضل ہے اس کا عمیم

اس نے لفظِ کُن سے پیدا کی یہ ساری کائنات
کیا زمیں کیا آسماں کیا بحر کیا عرش عظیم

اس کے فیضان کرم سے ہے منور آفتاب
لطف سے پائی ہے اس کے غنچہ و گل نے شمیم

وہ چمک دیتا ہے ہر شب انجم و مہتاب کو
وہ چلاتا ہے چمن میں صبح دم باد نسیم

وسعت کون و مکاں بھی تنگ ہے جس کے لئے
وہ الٰہ العالمیں ہے دل میں بندوں کے مقیم

ایک ہی وہ ذات ہے بس جس کو ہے سجدہ روا
جان سکتی ہے مگر اس بات کو عقل سلیم

ہم کو اپنے لطف سے محروم وہ رکھے گا کیوں
جب کہ اس کی ذات ہے منّان و وہّاب و کریم

مانگتے ہیں سب اسی سے، اس کے سب محتاج ہیں
جھکتے ہیں سب اس کے آگے جاہ و حشمت کے زعیم*

*زعیم = زعم اور کبر میں مبتلا

ادیبؔ رائے پوری

نعت رسول مقبول ﷺ

رحمت کا در کھلا ہے دربارِ مصطفیٰؐ میں
بن مانگے مل رہا ہے دربارِ مصطفیٰؐ میں

ان پر درود ہر دم، ان پر سلام ہر دم
ہر ایک پڑھ رہا ہے دربارِ مصطفیٰؐ میں

آنسو جو بہہ رہے ہیں، سب حال کہہ رہے ہیں
لب کون کھولتا ہے دربارِ مصطفیٰؐ میں

سینہ پہ ہاتھ رکھ کر، میں دل کو ڈھونڈتا ہوں
دل مجھ کو ڈھونڈتا ہے، دربارِ مصطفیٰؐ میں

عصیاں کے خوف سے جو مایوس ہوگیا تھا
دامن میں جا چھپا ہے دربارِ مصطفیٰؐ میں

جنت کے در پہ اس کا رضوان منتظر ہے
جو حق سے جا ملا ہے دربارِ مصطفیٰؐ میں

حق ان کو دے رہا ہے، وہ سب کو دے رہے ہیں
دینے کی انتہا ہے دربارِ مصطفیٰؐ میں

آداب کا تقاضا، جنبش نہ ہو بدن میں
دل وجد کررہا ہے دربارِ مصطفیٰؐ میں

فردِ عمل سے میرے ہر داغ دھو رہا ہے
جو اشک بہہ رہا ہے دربارِ مصطفیٰؐ میں

خوش بو ادیبؔ تیری نعتوں میں آرہی ہے
اک بار کیا گیا ہے دربارِ مصطفیٰؐ میں

زندگی مثل حباب ہے

یا مثل حباب ٹوٹنا ہے ساقی
یا آبلہ بن کے پھوٹنا ہے ساقی
اک سانس کا اعتبار کیا پینے دے
اک سانس کے غم سے چھوٹنا ہے ساقی

’’جس نے موت اور زندگی کو تخلیق کیا تا کہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔ اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی۔‘‘ (الملک:۲)

لافانی عالم سے مٹی کے جہان میں قدم رکھنے والے کو بالآخر عالمِ لافانی میں لوٹ جانا ہے۔ مٹی کی دنیا مٹی کی طرح فانی ہے۔ فانی دنیا سے رخصت ہونے کو لوگ مرنا کہتے ہیں جب کہ مرنا اصل میں ’’امر‘‘ ہونا ہے۔

حیات کی حقیقت کیا ہے ــــ؟ حیات کی حقیقت غیب ــــ ظاہر ــــ غیب ہے۔

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے دوست معرفت الٰہی کے سمندر میں اس طرح محو ہو جاتے ہیں جیسے حباب بکھر کر پانی بنتا ہے۔ پانی سے مٹی کے جسم کی تخلیق ہوتی ہے اور پانی ہی مٹی کے جسم کی آخری آرام گاہ ہے۔

اللہ کے دوستوں کے لئے موت زندگی کا حسین مرحلہ ہے جو انہیں محبوب سے ملاتا ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ موت سے خوف زدہ ہیں، وہ اصل سے غافل ہیں۔ جانا انہیں بھی ہے مگر تکلیف اور مجبوری کے ساتھ جیسے چھالا پھوٹ کر پانی بن جاتا ہے۔ لافانی زندگی کے مقابلہ میں مادی حیات کی حقیقت ایک سانس سے زیادہ نہیں۔ عقل مند وہ ہے جو اس ایک سانس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد میں گزارتا ہے اور موت وحیات کی کشمکش سے نکل جاتا ہے۔

پانی کی طرح آج پلادے بادہ
پانی کی طرح کل تو بکھرنی ہے عمر

آج کی بات

''ہم نے یہ قرآن اتارا لیلۃ لقدر میں۔ اور تمہیں کیا علم کہ لیلۃ القدر کیا ہے۔
لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ اس میں اترتے ہیں ملائکہ اور روح اپنے
رب کے حکم سے ہر کام پر، سلامتی ہے یہ رات طلوع فجر تک۔'' (القدر: ۱۔۵)

لیل ــــ حواس اور قدر ــــ مقداریں ہیں۔ لیلۃ القدر ــــ حواس کی وہ مقدار ہے جس کی رفتار ایک ہزار مہینوں سے زیادہ ہے۔ ایک ہزار مہینے دن کے حواس ہیں، اس میں اسپیس کے پھیلاؤ کی نشان دہی ہے۔ لیلۃ القدر کے حواس اس وقت غالب ہوتے ہیں جب بیداری میں کم سے کم ساٹھ ہزار دن اور راتوں کی اسپیس ایک نقطہ میں سمٹ آئے۔

اسپیس سمٹنا ــــ رفتار غالب ہونا ہے۔

وقت ایک ہے، دن اور رات وقت کی دو اکائیاں ہیں۔ جب ایک اکائی سفر کر کے دوسری اکائی میں داخل ہوتی ہے تو اپنے محور کے گرد یہ گردش دائرہ بن جاتی ہے۔

غور کیجئے کہ دن اور رات کا محور کیا ہے ــــ؟

•• ———— ••

شب قدر ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ ''ہزار مہینے'' غیب میں داخل ہونے کی کم سے کم رفتار ہے۔ لفظ ''شھر'' میں دن اور رات کی اسپیس کا الگ الگ تذکرہ نہیں ہے بلکہ انہیں ایک اسپیس شمار کیا گیا ہے کہ دن میں بھی رات کے حواس طاری ہوں۔

ایک ہزار مہینہ کی اسپیس کو مساوات سے سمجھئے۔

30 ہزار دن (اسپیس) + 30 ہزار راتیں (اسپیس) = 60 ہزار دور (سائیکل)

60 ہزار دور (سائیکل) ÷ 730 دن رات (ایک سال) = 82 سال

ایک ہزار مہینے اس دنیا میں 82 سال کے مساوی ہیں۔ 82 سال کی رفتار سمٹ کر نقطہ میں آتی ہے تو شب قدر کی رفتار بنتی ہے۔ شے ایک نقطہ میں موجود ہے، فرق نقطہ کی اسپیس کے پھیلنے اور سمٹنے کا ہے۔ اسپیس کا پھیلنا اور سمٹنا کیا ہے___؟

شب قدر وہ اسپیس ہے جس میں فرشتوں اور امر الٰہی کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اللہ کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کو ظاہر کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو حکم دیتا ہے "ہو" اور وہ ہو جاتی ہے۔ کائنات کی ہر شے کُن ___ فیکون کا مظہر ہے۔ دونوں کے ظہور میں بظاہر وقفہ ہے لیکن وقفہ نہیں ہے۔ کُن میں جو کچھ موجود ہے، وہ فیکون ہے۔

• • ———————— • •

بچہ ماں کے رحم میں وقت گزار کر دنیا میں آتا ہے۔ اس سے پہلے وہ جس عالم میں تھا، وہاں بھی ٹائم اور اسپیس ہے۔ بچپن، جوانی اور بڑھاپے کی اسپیس سے گزر کر دوسری دنیا میں داخل ہو جاتا ہے۔ زندگی ہر عالم میں وقت اور فاصلہ میں بند ہے۔ وقت کے پھیلنے سے فاصلہ زیر بحث آتا ہے اور فاصلہ کے سمٹنے سے وقت غالب ہو جاتا ہے۔

مثلاً زید کی عمر ستّر سال ہے۔ ایک اسپیس ستّر سال کی ہے۔ دوسری طرف یہی اسپیس،

دو ارب 20 کروڑ 75 لاکھ 20 ہزار سیکنڈ

تین کروڑ 67 لاکھ 92 ہزار منٹ

آٹھ سو چالیس مہینوں پر محیط ہے۔

یہ مادی شعور کو بیان کرنے کی مختلف طرزوں میں ایک طرز ہے۔ اس سے قبل زید کہیں پر تھا، وہاں سے یہاں آیا، قیام کیا اور پھر چلا گیا___ زید کا ریکارڈ نقطہ میں بند ہے۔ اسپیس کے پھیلنے اور سمٹنے کو نقطہ کی مثال سے سمجھنا آسان ہے۔ نقطہ کے جس رخ سے بظاہر ہم واقف ہیں، ہم نے اسے ستّر سال میں تقسیم کر دیا۔ ایک طرف زمان در زمان اور مکان در مکان

بنتے گئے اور دوسری طرف یہی زمان ومکان عدد ''ستّر'' میں سمٹ گئے۔

شہنشاہِ ہفت اقلیم نانا تاج الدینؒ فرماتے ہیں،

مانس ہے سب آتما، مانس ہے سب راکھ
بندی کی گنتی نہیں، بندی میں سو لاکھ

نقطہ کو پڑھنے کے دو مراتب ہیں۔ ایک مرتبہ میں حیات اسپیس در اسپیس آگے بڑھتی ہے اور ہر شے ترتیب وار نظر آتی ہے۔ ترتیب ــــ ادراک (فہم) کی تکرار ہے۔ شے کے مشاہدہ کے لئے بار بار ادراک ہوتا ہے اور نگاہ فہم کی مناسبت سے آگے بڑھتی ہے۔

ابدالِ حق نے نقطہ کو پڑھنے کی اس طرز کو مکانی فاصلوں کا نام دیا ہے۔

''دن ایک حیّز* (اسپیس) ہے۔ رات ایک اسپیس ہے، پھول ایک اسپیس ہے، خیال ایک اسپیس ہے، مٹی ایک اسپیس ہے، پانی ایک اسپیس ہے، خلا ایک اسپیس ہے، فضا ایک اسپیس ہے، آگ ایک اسپیس ہے، ہوا ایک اسپیس ہے، چاندی ایک اسپیس ہے، سونا ایک اسپیس ہے، ہر شے کا چھوٹے سے چھوٹا ذرّہ ایک اسپیس ہے، کائنات کا بڑے سے بڑا کرہ اسپیس ہے۔ اگر کسی چھوٹے سے چھوٹے جوہر (ایٹم) کے کھرب در کھرب ٹکڑے کئے جائیں تو ہر ٹکڑا اسپیس ہے۔ اگر ایک سیکنڈ کو سنکھ در سنکھ حصوں میں تقسیم کیا جائے تو ہر حصہ ایک حیّز (اسپیس) ہے۔ سیاہ نقطہ میں ازل تا ابد جتنے حیّز ہو سکتے ہیں وہ سب تہ در تہ موجود ہیں۔'' (لوح وقلم)

نقطہ کو پڑھنے کی دوسری طرز میں چیزیں اسی ترتیب سے موجود ہیں لیکن فہم کی رفتار زیادہ ہونے سے فاصلہ محسوس نہیں ہوتا۔ رفتار ــــ بات کو سننے، دیکھنے اور سمجھنے کا دورانیہ ہے اور اس کا تعلق ذہن کے یک سو اور تقسیم ہونے سے ہے۔ یک سوئی میں فہم کے مدارج کم ہوتے ہیں ــــ توجہ تقسیم ہونے سے بڑھ جاتے ہیں جس سے کام کی تکمیل میں وقت لگتا ہے۔

*حیّز کے معنی اسپیس ہیں۔

قانون رفتار کی مناسبت سے زمانی ومکانی فاصلے مرتب ہوتے ہیں۔

عزیز دوستو! دوری کا تعین قربت سے ہے۔ مثلا الف سے ب کا فاصلہ کتنا ہے، جانچنے کے لئے پیمائش الف سے ب پر ختم ہوگی۔ طریقہ یہ ہے کہ الف اور ب کے درمیان قربت ناپی جاتی ہے تاکہ معلوم ہو دوری کتنی ہے۔ پہنائی (ظاہر) کو دیکھ کر بتایا جارہا ہے کہ شے کتنے فاصلہ پر ہے ـــ گہرائی میں دیکھیں تو پورے فاصلہ پر قربت غالب ہے۔

بالفاظ دیگر شے میں پھیلاؤ نظر آنا، دن کے حواس ہیں، اور انہیں ایک دیکھنا، رات کے حواس ہیں۔ بظاہر وجود ایک دوسرے سے الگ ہیں لیکن باطن ایک ہے۔ ایک دیکھنے سے مراد حواس کا ایک نقطہ میں رہ کر دیکھنا ہے۔

ایک اور مثال آسمان اور زمین کی ہے۔ دونوں نور کی تخلیق ہیں لیکن ہم ایک کو آسمان اور دوسرے کو زمین کہتے ہیں۔ آسمان یا زمین ادراک کی طرز ہے ـــ طرزوں سے ماورا نظر خدوخال کے بجائے نور دیکھتی ہے اس طرح زمانی ومکانی فاصلے معدوم ہوجاتے ہیں۔ بالفاظ دیگر ایک ہی شے قرب میں زمین اور بُعد میں آسمان ہے۔ فاصلہ شے کا شے سے نہیں ـــ شعوری فہم کا لاشعور سے ہے۔

نقطہ کو پھیلا کر پڑھنے سے فاصلہ غالب ہوتا ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں یہ بیج ہے، یہ تنا ہے، پتّے نکلتے ہیں، شاخیں پھیلتی ہیں، تنا ـــ تنا ور درخت بنتا ہے، پھل پھول لگتے ہیں اور نئے بیج آتے ہیں۔ درخت کی عمر سو سال ہے۔ اس شمار کے مطابق بیج سے درخت بننے کا مرحلہ کھربوں سیکنڈز پر محیط ہے۔

دیکھنے کی دوسری طرز یہ ہے کہ بیج کو درخت بننے کے لئے نشوونما کی ضرورت نہیں، نشوونما کی ضرورت فرد کے فہم کو ہے ـــ بیج میں درخت نوعی ریکارڈ کے ساتھ موجود ہے۔

غور کیجئے ـــ جو شے کھربوں سیکنڈز میں جوان ہوتی ہے، ہمیں اسے ایک سیکنڈ میں دیکھنے کا تجربہ ہے۔ ایک سیکنڈ میں کھربوں سیکنڈز موجود ہیں۔ جو ادراک سیکنڈ کے کھربویں حصہ کا مشاہدہ کرتا ہے، اس کی نشان دہی سورہ قدر میں ہے۔

''ہم نے یہ قرآن اتارا لیلۃ القدر میں۔ اور تمہیں کیا علم کہ لیلۃ القدر کیا ہے۔ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ اس میں اترتے ہیں ملائکہ اور روح اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر، سلامتی ہے یہ رات طلوع فجر تک۔'' (القدر: ۱۔۵)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو رات کے حواس میں مقداروں کے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ خالق کائنات فرماتے ہیں کہ تمہیں کیا ادراک کہ رات کے حواس میں مقداروں کے ساتھ قرآن کا نزول کیا ہے ـــ؟

لیلۃ القدر وہ حواس ہیں جن کی رفتار ہزار مہینوں سے زیادہ ہے۔ یہاں دن کے حواس کا تذکرہ نہیں ـــ بلکہ دن کا وقت بھی شہود میں گزرتا ہے۔ دن اور رات میں تقاضے یکساں ہیں، فرق ـــ احساس کا ہے۔ احساس کی ایک طرز یہ ہے کہ اطلاع اعضا میں تقسیم ہوتی ہے، تقسیم سے کام کی رفتار کم ہوجاتی ہے۔ دوسری طرز میں اعضا زیر بحث نہیں آتے، کام اطلاع کی رفتار سے مکمل ہوتا ہے۔ مثال خیال اور خواب کی دنیا ہے۔

•• ———— ••

رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں مادی وجود کی نفی اور روحانی وجود کا اثبات ہے۔ ذہن وسائل سے ہٹ کر وسائل فراہم کرنے والے کی طرف متوجہ ہونے سے انفرادی و اجتماعی سطح پر سکون و برکت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ ظاہری حواس کو مغلوب کرنے کی مشق سے سننے، دیکھنے، سمجھنے، محسوس کرنے اور پیغام رسانی کی رفتار اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ بندہ لیلۃ القدر میں داخل ہوتا ہے جس میں روح کی کم سے کم رفتار (60 ہزار دن رات) بیان کی گئی ہے۔

شب قدر وہ حواس ہیں جن میں سیاہ نقطہ کے ادراک کا نزول ہوتا ہے۔ تصوف میں

اس ادراک کو فتح کہتے ہیں۔ فتح میں انسان ازل سے ابد تک معاملات کو بیداری کی حالت میں چل پھر کر دیکھتا اور سمجھتا ہے۔ کائنات کے بعید ترین فاصلوں میں اجرام سماوی کو بنتا اور عمر طبعی کو پہنچ کر فنا ہوتے دیکھتا ہے۔ لاشمار کہکشانی نظام اس کی آنکھوں کے سامنے تخلیق پاتے ہیں اور لاحساب دور زمانی گزار کر فنا ہوتے نظر آتے ہیں۔ فتح کا ایک سیکنڈ بعض اوقات ازل تا ابد کے وقفہ کا محیط بن جاتا ہے۔

• • ——————— • •

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سلامتی ہے یہ رات طلوع فجر تک۔ طلوع سے مراد حواس کا پھیلنا یا تقسیم ہونا ہے، اور قرآن کریم میں فجر کی اسپیس کو مشاہدہ کا وقت قرار دیا گیا ہے۔

''سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نمازیں قائم کرو اور صبح کو قرآن پڑھا کرو۔ کیوں کہ صبح کے وقت قرآن پڑھنا موجب حضور ہے۔'' (بنی آسرآءیل: ۷۸)

جب تک بندہ رات کے حواس یعنی مشاہدہ میں ہے، سلامتی میں ہے۔

رمضان المبارک میں خشوع وخضوع کے ساتھ تیس روزے رکھنے اور شب قدر کے پروگرام پر عمل کرنے سے حواس کی رفتار 60 ہزار گنا بڑھ جاتی ہے اور بندہ حضرت جبرئیلؑ کو دیکھتا ہے — ان سے مصافحہ کرتا ہے۔ خالق لیل ونہار کا ارشاد ہے،

''لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ اس میں اترتے ہیں ملائکہ اور روح اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر،، سلامتی ہے یہ رات طلوع فجر تک۔'' (القدر: ۳۔۵)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو رمضان المبارک میں زیادہ سے زیادہ ذہنی یک سوئی کے ساتھ روزے رکھنے، شب بیداری اور عبادت کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

آپ سب کو رمضان مبارک ہو۔

اللہ حافظ

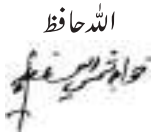

فقیر کی ڈاک

تفکر ــــ ذہن کی دنیا میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ غور وفکر سے خیال کی گہرائیاں روشن ہوتی ہیں۔ گہرائی میں تخلیقی رموز کے خزینے ہیں جن تک رسائی ــــ عرفان نفس اور معرفت الٰہی ہے۔ ''فقیر کی ڈاک'' اذہان کی آبیاری ہے جس میں مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب ذہن کی پرتوں کو کھول کر لاشعور کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

مرشد کریم کو تہِ دل سے سلام ــــ السلام علیکم،

دل آپ کے ساتھ گزرے لمحوں کی گرفت میں رہتا ہے۔ جب سامنے ہوتا ہوں تو ہر سوال بے معنی ہو جاتا ہے۔ بس خود کو نثار کرنے کی خواہش ہوتی ہے لیکن جب اپنی دنیا میں واپس آتا ہوں تو وہی سوال گھیر لیتے ہیں۔

مرشد اور مرید کے رشتہ کو میں اس طرح سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ تعفن میں رینگتے ہوئے کیڑے کو اللہ کا ایک دوست روشنی کے سانچے میں ڈال دیتا ہے اور تربیت کرتا ہے، اس کے اندر تعفن کو دھوتا ہے اور جب کیڑا پوری طرح صاف ہو جائے تو اس کو تتلی بنانے کے لئے توانائی فراہم کرتا ہے۔ جب مرشد کی محنت سے مرید تتلی بن کر اللہ میاں کے اس باغ کائنات میں اڑنے کو تیار ہوتا ہے تو مرشد اپنی نگرانی میں اڑنا سکھاتا ہے۔

لیکن یہ دن جو کیڑے کو تتلی بننے میں گزرتے ہیں، اس میں بہت سے سوال اٹھتے ہیں اور کیڑے کے ذہن پر بوجھ ڈالتے ہیں۔ کیڑا باخبر ہے کہ وہ تتلی بن رہا ہے لیکن ڈر رہے کہ وہ تتلی بن پائے گا یا نہیں ــــ؟ وہ جانتا ہے کہ شک شیطان کا ہتھیار ہے پر کبھی کبھی وہ شک کے بھنور میں پھنس جاتا ہے۔

تربیت شروع ہوتی ہے تو ایک وقت آتا ہے کہ وہ کوئلا رہتا ہے نہ ہیرا ــــ اس وقت نہ کوئلے کی کان میں اسے اپنایا جاتا ہے نہ ہیرے کے ساتھ سجایا جاتا ہے۔ وہ اکیلا اور پریشان رہتا ہے۔ جلتی بجھتی امید کے ساتھ۔

ایسے میں پچھلی زندگی کی طرف دیکھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو کب کی چھوٹ گئی ہے۔ اور آگے دیکھتا ہے تو خدشات ابھرتے ہیں کہ معلوم نہیں ہیرا بننے میں کتنی دہائیاں لگیں۔ نہ پرانی سوچ سے پوری طرح آزادی ہے نہ نئی سوچ میں پوری طرح رنگا ہوا ہوتا ہے۔ لگتا ہے کہ کیڑا سمندر کی لہروں پر سوار ہے۔ کبھی اچھے دن ہوتے

ہیں اور کبھی خوف طاری ہو جاتا ہے۔ کبھی باخبری کے لمحات ہوتے ہیں اور کبھی ناواقفیت کا لامتناہی سلسلہ!

میری حیثیت کیڑے جتنی بھی نہیں لیکن درخواست ہے کہ میں بے رنگ ہونا چاہتا ہوں تا کہ.....

مرشد کے رنگ میں رنگ جاؤں۔ نہ میں کوئلا رہا ہوں، نہ اب تک ہیرا بن سکا ہوں۔

میرا ایک ہی مقام ہے کہ آپ کے قدموں میں رہنا ہے۔ چاہتا ہوں کہ ہر روز میری ''میں'' قربان ہو۔

پروانہ کا دل شمع کی روشنی میں ہے۔ دعا کیجئے کہ اس روشنی میں جلنے کی تڑپ کبھی نہ بجھے۔

آپ کو بہت یاد کرتا ہوں ــــ ایک بار پھر تہِ دل سے سلام!

نیازمند، منور حیات

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ،

ایک روحانی بندہ کے دو شاگرد تھے۔ ایک شاگرد دوڑ دوڑ کر مرشد کے کام کرتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کے دماغ میں ایک روزن کھلا۔ اس روزن میں اس نے فلم دیکھی۔ فلم کے کردار دو زاویوں، دو کرداروں پر مشتمل تھے۔ کانٹوں بھرے گلستان سے تیز ہوا آئی اور پورے جسم میں بجلی دوڑ گئی۔ کرنٹ کو سمجھنا چاہا تو خیال آیا کہ ہم دونوں شاگرد، بھائی ہیں اور دونوں کے مرشد ایک ہیں۔ میں ہر وہ کام کرتا ہوں جس کے لئے محسوس کرتا ہوں کہ یہ مرشد کی خدمت ہے لیکن خدمت کا صلہ وہ نہیں ملتا جو میرے بھائی شاگرد کو ملتا ہے۔

یہ خیال بجلی کی طرح جسم میں دوڑ گیا ــــ الوژن سوچ تمام خیالات پر غالب آ گئی۔

شاگرد نے مرشد سے عرض کیا، میں اتنے سال سے آپ کی خدمت کر رہا ہوں، مجھے میرا حصہ دے دیں۔

مرشد نے کہا، بیٹا! تم نے مکھن دیکھا ہے ــــ؟

شاگرد نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا، جی ہاں دیکھا ہے۔

مرشد نے پوچھا، مکھن کہاں سے نکلتا ہے ــــ؟

شاگرد نے بتایا، دودھ میں سے۔

مرشد نے پوچھا: دودھ میں سے کب نکلتا ہے؟

شاگرد نے عرض کیا، دودھ بلونے سے۔

بیٹا! اب اصل بات شروع ہوتی ہے۔ دودھ کا سورس کیا ہے؟

شاگرد نے عرض کیا: جناب! دودھ کا سورس گائے ہے۔

مرشد نے فرمایا، اور گائے جہاں سے بھی آتی ہے ہم نہیں جانتے جب کہ ہماری ظاہری آنکھیں گائے کی

پیدائش اور اس کے وجود کو دیکھتی ہیں۔ گائے کے بچہ کے لئے گائے ماں بنتی ہے اور ماں اپنے بچوں کو توانائی فراہم کرتی ہے۔ توانائی کے لئے ضروری ہے کہ توانائی حاصل کرنے کے وسائل مہیا ہوں۔ وسائل سے مراد آنکھوں دیکھا وسیلہ یہ ہے: گائے کا وجود ــــ گائے کا ماں بننا اور ــــ تھنوں میں دودھ اترنا۔

بیٹا، سوچو! ذہن کو آزاد کرو۔ صرف اس بات کا کھوج لگاؤ کہ اس کی ایکویشن کیا بنی ــــ؟ میں نہیں بتاتا۔ ہمارے اندر جو فہم ہے ہم سب کو بتاتی ہے۔ ایک شاگرد، مرید یا چیلے کو مکھن کب حاصل ہوا ــــ؟

ہمارا دماغ، ذہن، فہم سوچ کا خزانہ ہے۔ جب ہم اپنی سوچ کے خزانہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ہمیں کس بات پر دھیان ہوتا ہے ــــ؟ مرید ہاتھ باندھ کر رونے لگا اور سر مرشد کے تخت پر رکھ دیا۔

مرشد نے ایک اور راز کھولا، مکھن کہاں ہوتا ہے ــــ؟

شاگرد نے عرض کیا، جناب! دودھ میں۔

پوچھا، دودھ میں سے مکھن کا وجود کب ظاہر ہوتا ہے؟

مرید حواس باختہ ہو گیا۔

مرشد نے مرید کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا اور کہا، بیٹا! دودھ بلونے سے۔

خلاصہ: مرشد ــــ شاگرد ــــ شاگرد کا انتخاب ــــ مرشد کا انتخاب

گائے کا بچہ کو پالنا ــــ پرورش کرنا

گائے کا ماں بننا ــــ دودھ اترنا (دودھ کا فارمولا آپ بتائیں۔ دودھ بنتا کیسے ہے ــــ؟)

اللہ تعالیٰ کے نظام میں دودھ کی ایک ایکویشن اور ایک فارمولا ہے اور یہ فارمولا بچہ کی زندگی کا امین ہے۔

اس مثال سے سمجھو ــــ پرندے درخت پر بیٹھے ہیں، کسی نے بندوق سے فائر کیا۔ بیٹا، بتاؤ کیا ہوگا؟

یاد رکھو! زندگی کا ہر مرحلہ ایثار ہے۔ ایثار سے گزر کر زندگی ــــ بندگی بنتی ہے۔

دعا گو، عظیمی

نامے میرے نام

خواتین وحضرات قارئین ـــ السلام علیکم، ذہن میں ''ماہنامہ قلندر شعور'' کے مطالعہ کے بعد کوئی ایسا خیال آتا ہے جس کا جواب نہ ملنے سے تشنگی بڑھ جاتی ہے۔ آپ لکھئے ـــ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ انشاء اللہ جواب شائع کیا جائے گا۔

فاطمہ بخاری (متحدہ عرب امارات): میری زبان عربی ہے اور آپ کی تعلیمات اردو میں ہیں۔ روحانی علوم سے واقف ہونا چاہتی ہوں مگر زبان رکاوٹ ہے۔ کیا میں اردو سیکھے بغیر سلسلہ میں شامل نہیں ہوسکتی جب کہ جو علم مجھے سیکھنا ہے، اس کا زبان سے تعلق نہیں، وہ روحانی ہے ـــ؟

★ آپ نے انگریزی پڑھی ہے۔ میں انگریزی زبان نہیں جانتا۔ آپ سے سوال ہے کہ میں انگریزی زبان کیسے سیکھوں؟ الحمدللہ آپ کی زبان عربی ہے۔ آپ نے جو کچھ پڑھا یا سیکھا، اس کے لئے آپ نے کیا کیا؟ ان سوالات میں آپ کے سوال کا جواب موجود ہے۔

رشا البلوشی (سعودی عرب): میں اعلیٰ روحانی مدارج تک پہنچنے کے لئے خود کو کس طرح ترغیب دوں؟

★ آپ جو پڑھی ہوئی ہیں وہ آپ نے کیسے پڑھا۔ اس کی تفصیل لکھئے، پہلی جماعت سے لے کر ایم اے تک۔ آپ سے سوال یہ ہے کہ میں ایک بندہ بشر ہوں۔ باہر کے ایک، دو یا زیادہ ملکوں کی سیر کرنا چاہتا ہوں، بتایئے یہ سفر کس طرح پورا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کے نظام کے تحت مخلوق پیدا ہوتی ہے، ایک آدمی ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد ہو اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسکالر بن جائے۔ میں اسکالر بننا چاہتا ہوں۔ راہ نمائی کیجئے کہ میں اسکالر کیسے بن سکتا ہوں؟

ثمرین رضا (کراچی): حامد ابراہیم صاحب کے مضامین تحقیقی ہوتے ہیں۔ مارچ 2019ء میں انہوں نے آتش فشانوں کے بارے میں لکھا ہے۔ اس حوالہ سے عظیمی صاحب کا اقتباس پڑھ کر سمجھ میں آیا کہ آتش فشاں کے ظاہر ہونے کا سبب بھاپ ہے۔ میں یہ سمجھی ہوں کہ جو آتش فشاں خوابیدہ ہیں، بھاپ ابھی ان تک نہیں پہنچی۔ میری دانست میں اس موضوع پر ایک اور مضمون لکھنے کی ضرورت ہے جو بھاپ کی اہمیت کو واضح کرے۔

★ آپ کوشش کیجئے۔ یہ عمل اسٹیم سے متعلق ہے۔ اسٹیم کو آپ سمجھ گئیں تو بات سمجھ میں آجائے گی۔ یہ بھی بتایئے کہ

بھاپ یا اسٹیم کیسے حاصل کی جاتی ہے۔

عبدالحمید (سکھر): ''آج کی بات''، ''فقیر کی ڈاک'' اور ''آپ کے خواب اور ان کی تعبیر'' شوق سے پڑھتا ہوں۔ تمام لکھنے والوں کی کاوش نے رسالہ کو گل دستہ بنا دیا ہے۔ احمد نواز صاحب کی تحریر ''میرا چاند'' پسند آئی۔

احمد زمان (کراچی): آج کل معمولی باتوں پر لوگ خودکشی کر رہے ہیں۔ لگتا ہے کہ دنیا پاگل پن کے دہانہ پر پہنچ گئی ہے۔ مضمون ''بے نیاز بندہ ــــ اللہ کا نیاز مند'' پڑھ کر خودکشی کی بنیادی وجہ یہ سمجھ میں آئی کہ ہم اللہ سے دور ہیں۔ ہماری تربیت اس طرح کی جاتی ہے کہ ہمارے اندر دنیا کی محبت پیدا ہوتی ہے اور اللہ سے اپنے تعلق کے بارے میں ہم شک میں رہتے ہیں۔ اہم وجہ یہ ہے کہ ہم قرآن نہیں پڑھتے، اگر پڑھتے ہیں تو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

عدنان قریشی (لاہور): بہادر شاہ کے خاندان کی کہانی عبرت انگیز ہے۔ اللہ نہ چاہے تو روئے زمین پر کوئی شے پناہ نہیں دیتی۔ اس سچی کہانی میں ہر ایک کے لئے سبق ہے کہ ہم جہاں ہیں، اپنے کردار سے انصاف کریں۔

عون رفیق (کراچی): ''پان کی ناز برداری'' پڑھ کر شدت سے پان کھانے کی طلب پیدا ہوئی۔ مضمون پڑھتے ہوئے دانتوں میں سنسناہٹ پیدا ہوگئی۔ پان کا شوقین نہیں، میٹھا پان کبھی کبھی کھا لیتا ہوں۔

یاسمین گل (فیصل آباد): مارچ کے شمارہ میں مضمون ''مرشد کی باتیں'' بہت تفکر طلب ہے اور یہ سطر کہ ''محاسبہ کرنا اور اندر کی دنیا میں غور کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ وہ جس امر کی نیت کرتا ہے خالق کائنات کی مہربانی سے ہر مظہر اس کی تکمیل میں مددگار بن جاتا ہے۔'' دیگر مضامین میں ''توجہ'' بہت اچھا اور معلوماتی مضمون ہے۔ انتشار پر قابو پانے کے لئے کارآمد نکات بتائے گئے ہیں۔ لکھا ہے کہ ''کسی کے خیال کو رد کر دینا بھی توجہ میں آتا ہے۔'' مراقبہ اور عام زندگی میں خیالات کو رد نہیں کرنا چاہئے بلکہ گزرنے دینا چاہئے ورنہ ذہن بھول بھلیوں میں گم ہو جاتا ہے۔

ارشد فاروق (کراچی): ''شہنشاہ ظرافت ملا دوپیازہ'' کی آخری قسط پڑھی۔ کیا حس مزاح اور کیا برجستگی ہے۔ گزارش ہے کہ اس طرح کی مزید سیریز شائع کی جائیں۔

★ آپ ادارہ کے ساتھ تعاون کیجئے۔ مزاحیہ مضامین لکھ کر ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو بھیجئے۔ مضمون کی نوک پلک صحیح کرنا ادارہ کی ذمہ داری ہے۔

ثریا بتول (لاہور): روزینہ ملک صاحبہ کے مضمون ''عام و خاص'' میں پینٹنگ والی مشق پسند آئی۔

نور خالق (چشمہ میانوالی): کہانی ''اپو، ڈپو، گپو'' پر مذاکرہ میں 13 بچوں نے شرکت کی۔ پہلا سوال یہ تھا کہ اللہ میاں کا باغ کون سا ہے؟ بچوں نے بتایا کہ اللہ میاں کا باغ جنت ہے اور کچھ نے بتایا کہ انسان جس جگہ کو چاہے جنت بنا سکتا ہے۔ اگر انسان اچھے کام کرے اور برائی سے بچے تو یہ دنیا اس کے لئے جنت اور وہ اللہ میاں کے باغ

کا پھول بن جائے گا۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ سریلی آواز سن کر ذہن پُرسکون، اور شور ہو تو دل زور زور سے دھڑکتا ہے، وجہ کیا ہے؟ ایک ساتھی نے بتایا کہ زیادہ اونچی آواز میں beta waves ہوتی ہیں جو تخریبی لہریں ہیں۔ ان سے دماغ کے خلیات میں ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے اور پریشانی کی وجہ سے دل زور زور سے دھڑکتا ہے۔ سریلی آواز میں Alpha waves ہوتی ہیں جو تعمیری لہریں ہیں۔ ان سے سکون ملتا ہے۔

شاہدہ رحیم (ملتان): ''اولی الالباب بچے'' میں گراف سے متعلق بچوں کی ڈرائنگ شائع کی گئیں۔ بہت پسند آئیں۔ بچوں کا ذہن تخلیق کی طرف مائل ہوتا ہے، اس صلاحیت کو اجاگر کرنے کی ادارہ کی کاوش قابل تحسین ہے۔

شیرین اظہر (اسلام آباد): انگریزی سیکشن کے صفحات کم ہیں لیکن مضامین دل چسپ ہیں۔ ''میسج آف داڈے'' سے لے کر ''ڈائری آف برڈز'' تک سب شوق سے پڑھتی ہوں۔

محمد فیضان (کراچی): میرے چند سوالات ہیں۔ ① اعراف میں جسم کس شے کا بنا ہوگا۔ ② ناسوتی دنیا میں رہتے ہوئے کون سے وٹامن استعمال کریں کہ اعراف میں جسم طاقت ور ہو؟ ③ الیکٹرانک باڈی کیا چیز ہے اور اس کو کس طرح متحرک کیا جائے؟ ④ مراقبہ کے بغیر فطرت سے قربت کس طرح حاصل کی جائے؟

★ **عزیز محمد فیضان! آپ نے ایسے سوالات کئے ہیں جن کا مجھے تجربہ نہیں ہوا۔ عالم اعراف وہ دنیا ہے جہاں آدمی مرنے کے بعد جاتا ہے۔ انشاءاللہ عالم اعراف میں جب بھی ملاقات ہوگی پھر یہی سوال میں آپ سے پوچھوں گا۔**

★ ——————— ★

مارچ 2019ء کے ''آج کی بات'' پر منتخب تفکر:

پروفیسر محمد طاہر (چنیوٹ): ''آج کی بات'' میں محترم عظیمی صاحب کا 27 جنوری کا خطاب پڑھا۔ بار بار پڑھنے سے باطن میں راستہ بنتا محسوس ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ کامیابی یہ ہے کہ ہم اس ذات اعلیٰ کو پہچان لیں۔ اس طرف بھی توجہ دلائی کہ عمر کا گھٹنا بڑھنا کیا ہے، ہم کہاں جا رہے ہیں اور کہاں سے آ رہے ہیں۔ خطاب میں تفکر کی صلاحیت کو جلا دینے کے لئے بار بار سوالات پوچھے گئے۔ میں نے خطاب پڑھا تو اندازہ ہوا کہ اس میں سوالات کے جواب تک پہنچنے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے۔ جیسے، ① قرآن ترجمہ کے ساتھ پڑھیں اور تفکر کریں۔ ② یقین کا حصول الوژن سے گریز ہے۔ ③ کتاب المرقوم کیا ہے۔ ④ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ادراک کریں آدمی اور انسان میں کیا فرق ہے۔ ⑤ خوش رہیں اور خوشی کا راستہ اختیار کریں۔ خوش رہنے کا مطلب اللہ کی رضا میں راضی ہونا ہے۔ ⑥ غرض اور لالچ کے بغیر خدمت خلق کریں۔ ⑦ سیرت طیبہؐ کا مطالعہ کر کے اس پر عمل کریں۔

ان نکات پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ نیکی کیا ہے، بدی کیا ہے۔ ضمیر کہے کہ یہ عمل اچھا ہے تو اپنائیں، ضمیر

کہے کہ اچھا نہیں ہے تو چھوڑ دیں۔ یہ کامیابی کا مختصر ترین راستہ ہے۔ واہ مرشد واہ ـــ جزاک اللہ۔

عمیمہ صادق (کراچی): خطاب میں قرآن کی آیت کا حوالہ دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، جو لوگ مجھ میں جدوجہد کرتے ہیں، میں ان کے لئے اپنی راہیں کھول دیتا ہوں۔ آیت کو پڑھ کر ذہن کھلا کہ قانون بیان ہوا ہے کہ ہم جس راہ میں جدوجہد کریں گے، ہمارے لئے وہ راہ کھل جائے گی۔ ہم دنیا میں جدوجہد کرتے ہیں، جلد یا بدیر مطلوبہ اشیا حاصل کر لیتے ہیں پھر کیوں نہ یہ جدوجہد اللہ کے لئے کی جائے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ جو مجھ میں جدوجہد کرتا ہے، میں اس کے لئے اپنی راہیں کھول دیتا ہوں۔

صائمہ (برطانیہ): خوش رہنا کیا ہے اس پر غور کیا۔ خوش رہنا ایک کیفیت ہے جس میں اعضا پُرسکون ہو جاتے ہیں جیسے وہ اپنی جگہ پر آ گئے ہوں۔ اس کے برعکس ناخوشی سے ہیجان برپا ہوتا ہے جیسے اعضا گھٹنے بڑھنے کا عمل تیز ہو گیا ہو۔ ہم کسی نہ کسی کیفیت میں زندگی گزارتے ہیں۔ خوشی سے غم اور غم سے خوشی۔ محترم عظیمی صاحب نے جس خوشی کا ذکر کیا ہے، اس میں تغیر نہیں ہے کیوں کہ وہ اللہ کی رضا میں راضی رہ کر حاصل ہوتی ہے۔

عظیم خالد (کراچی): عظیمی صاحب نے اسلام اور ایمان کی تعریف بیان کی۔ نفی اثبات اسلام ہے اور اسلام کی کنہ ایمان ہے۔ یعنی اللہ کے سوا کسی اور کی پیروی ''الست بربکم'' کے عہد سے روگردانی ہے۔ ہم مٹی سے بنے ہیں، مٹی کا بت ہو یا چلتا پھرتا مٹی کا مجسمہ (آدمی، پرندے، حیوانات، پہاڑ) ـــ غور کیا جائے تو ان سب کی حقیقت ایک ہے۔

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے صنم کدہ ہے جہاں، لا الٰہ الا اللہ

حیدر علی (گلگت): آدمی اور انسان کا فرق جانے بغیر ہم کائنات میں اپنے مقام سے واقف نہیں ہو سکتے۔ جاننے کا تعلق مشاہدہ اور جدوجہد سے ہے۔ ہماری ساری جدوجہد دنیا کے لئے ہے۔ پہلے اپنی فکر کرتے ہیں، پھر اپنے بچوں کی فکر کرتے ہیں اور آخر میں اللہ کا ذکر شروع کر دیتے ہیں کیوں کہ معلوم ہے کہ اب یہاں سے جانا ہے۔ یہ بھی اپنے ہی بارے میں سوچنا ہے۔ پوری زندگی اپنے بارے میں سوچتے ہوئے گزرتی ہے کہ میرا کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے کیا ہوگا کی جو نشان دہی فرمائی ہے وہ ہر وقت ہمارے مشاہدہ میں ہے لیکن ہم اس طرف توجہ نہیں دیتے۔

عدنان امین (لاہور): عظیمی صاحب کے خطاب میں قرآن کریم کو ترجمہ کے ساتھ پڑھنے پر زور دیا گیا ہے۔ قرآن الہامی پیغام ہے جو الہامی طرز فکر کے مطابق زندگی گزارنے کی دعوت دیتا ہے۔ خطاب سن کر بہت شرمندگی ہوئی کہ ہم خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن قرآن کریم ترجمہ کے ساتھ نہیں پڑھتے، واقف نہیں ہیں کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ میں نے ترجمہ کے ساتھ قرآن پڑھنا شروع کر دیا ہے اور اپنے اندر طمانیت محسوس کرتا ہوں۔

★ اللہ مبارک کرے اور ہم سب کو قرآن کریم ترجمہ کے ساتھ پڑھنے کی توفیق دے، آمین۔

سید اسد علی

چپ کا روزہ

چند سیکنڈ بعد دماغ سن ہوتا محسوس ہوا جیسے وہ کسی غار میں ہو یہاں تک کہ جسم بے جان اور بے حرکت محسوس ہوا۔ اس کا کہنا ہے کہ مجھے نہیں معلوم اگر میں یہاں کچھ دیر اور رہتا تو میرے ساتھ کیا ہوتا۔

ان دنوں کی بات ہے جب حکیم لقمان غلامی کے دن گزار رہے تھے۔ ایک روز مالک نے کہا، بکری ذبح کرو اور اس کے دو بہترین اعضا پکا کر لاؤ۔ حکیم لقمان نے بکری ذبح کر کے زبان اور دل کا انتخاب کیا۔ مالک نے انتخاب کو سراہا۔ کچھ عرصہ بعد حکم دیا کہ اس بار بکری ذبح کر کے اس کے دو بدترین اعضا لاؤ۔ حکیم لقمان نے ایک بار پھر زبان اور دل پیش کر دیئے۔ مالک کو حیرت ہوئی اور پوچھا، جو شے اچھی تھی وہ بری کیسے ہوگئی ــــ؟

حکیم لقمان نے کہا، زبان اور دل دو اعضا ہیں، ان سے جو کام لیا جاتا ہے، یہ اسے کرنے کے پابند ہیں۔ زبان چھری کی مانند ہے یا اس سے پھول جھڑتے ہیں، تعین فرد کے اخلاق سے ہوتا ہے۔ اسی طرح دل جذبات کا ترجمان ہے اور ہماری نیت سے پاکیزہ یا گدلا ہوتا ہے۔ دل اور زبان صحیح ہیں تو ان سے بہتر کچھ نہیں، اگر یہ بگڑ جائیں تو ان سے بدتر کوئی چیز نہیں۔

مالک دانائی سے متاثر ہوا۔

انبیائے کرام اور اولیاء اللہ نے دل اور زبان کی حفاظت پر زور دیا ہے۔ دل کثافت سے محفوظ ہو تو زبان پاکیزہ ہو جاتی ہے۔ زبان کی حفاظت کا تعلق کم بولنے اور دل کی حفاظت یک سو ہونے میں ہے ــــ ان کے حصول کا ایک ذریعہ روزہ ہے۔

روزہ صرف کھانے پینے سے رکنے کا نام نہیں، مقرب بارگاہ ہستیوں نے طویل یا مختصر مدت کے لئے گفتگو ترک کرنے کا عمل بھی اختیار کیا ہے جس کو محاورہ میں چپ کا روزہ کہا جاتا ہے۔ چپ کا روزہ فرد کو خاموشی کی حکمت سے روشناس کراتا ہے اور بندہ اپنے اندر برداشت کی سکت سے واقف ہوتا ہے۔

مضمون میں بے جا گفتگو سے اجتناب، خاموشی اور صبر کے انفرادی، سماجی، معاشرتی اور روحانی فوائد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں،

''گفتگو سے سمجھ بوجھ میں اضافہ ہوتا ہے لیکن تنہائی اور خاموشی وہ مکتب ہے جہاں عظیم ذہن بنتے ہیں۔''

مقرب بارگاہ ہستیوں کے حالات زندگی میں یہ امر نمایاں ہے کہ انہوں نے غیر ضروری گفتگو سے پرہیز اور کوئی بات بے مقصد نہیں کی۔ اسی طرح جتنے قابل قدر دانش ور، مفکر، مدبر اور محقق گزرے ہیں، انہوں نے بھی تنہائی اور خاموشی کے مکتب میں ضرور داخلہ لیا ہوگا، اس دوران گہرے غور وخوض میں وقت گزارا اور باطن میں علم کے ذخیرہ سے استفادہ کیا۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں،

''خاموشی فطرت کی زبان ہے، اس کے علاوہ ہر شے کم زور ترجمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔''

بتایا جاتا ہے کہ دنیا میں سات ہزار سے زائد زبانیں بولی جاتی ہیں۔ زبان جذبات کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ سب سے زیادہ زبانیں براعظم ایشیا میں بولی جاتی ہیں جن کی تعداد 2,300 سے زائد ہے۔ صرف ملک ''پاپوا نیوگنی'' (Papua New Guinea) میں بولی جانے والی زبانوں کی تعداد تقریباً 841 ہے۔

زبان کوئی بھی ہو، جب تک مفہوم واضح نہ ہو، سمجھ میں نہیں آتی۔ بعض کیفیات میں لفظ ساتھ نہیں دیتے لیکن مخاطب واقف ہوجاتا ہے۔ جب فرد ظاہری الفاظ سے کنارہ کش ہوکر خاموشی اختیار کرتا ہے تو وہ خیالات اور تصورات کو سمجھتا ہے کیوں کہ ذہن ارادی و غیر ارادی طور پر اطلاع کے مصدر کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔

خاموشی ایک پردہ بھی ہے جو فرد کے بھرم کو قائم رکھتی ہے۔ روایت ہے کہ مصر میں ایک خوش اخلاق فرد چپ کا روزہ رکھے ہوئے تھا۔ لوگ قرب و بُعد سے دیکھنے آتے تھے کہ کون ہے جو خاموش رہتا ہے۔

اس نے سوچا کہ آدمی اپنی زبان کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ قول مشہور ہے کہ زبان شیریں ملک گیری۔ میں خاموشی سے دلوں پر راج کرسکتا ہوں۔ خاموش رہنے سے کسی کو کیا معلوم ہوگا کہ میں کون ہوں۔

عقیدت مندوں کا حلقہ بڑھا تو ایک روز خیال آیا کہ لوگ مجھے دانش ور سمجھتے ہیں اور میری آواز سننے کے منتظر ہیں۔ جس روز میں بات کروں گا، شہرت چاند کو چھولے گی۔ اور پھر ایک دن اس نے زبان کھولی— چوں کہ علم سے عاری تھا اس لئے بھانڈا چوراہے پر پھوٹ گیا۔ سب کو معلوم ہوگیا کہ جاہل آدمی ہے۔ ارادت مند متنفر ہوگئے اور عزت و شہرت خاک میں مل گئی۔ شرمندگی کی وجہ سے اس نے فرار ہونے میں عافیت جانی۔ جاتے ہوئے رقعہ چھوڑا کہ اگر میں آئینہ میں اپنی شکل دیکھ لیتا تو منہ سے نقاب نہ اٹھاتا۔

سائنسی تحقیق کے مطابق خاموش رہنا دماغی صحت کے لئے مفید ہے۔ سال 2013ء میں ہونے والی ایک تحقیق کے مطابق دو گھنٹے خاموش رہنے سے دماغ کے مخصوص حصہ ہپوکیمپس میں نئے خلیے بننے میں مدد ملتی ہے۔ ہپوکیمپس کا کردار یادداشت کی صلاحیت اور ردعمل میں توازن قائم کرنا ہے۔

دماغ مسلسل کام کرتا ہے حتیٰ کہ نیند میں بھی دماغی

تحریکات جاری رہتی ہیں۔آرام کی حالت میں دماغ تیزی سے دن بھر کے معمولات کی انجام دہی میں مصروف رہتا ہے۔اس طرح شور کی غیر موجودگی سے دماغ میں تجزیہ اور یادداشت سے متعلق صلاحیت کی نشوونما ہوتی ہے۔سکون اور سکوت سے دماغ کے خلیات چارج ہوتے ہیں۔تحقیق سے ثابت ہے کہ محض دو منٹ کی خاموشی بھی بے حد مفید ہے کیوں کہ اس دوران ذہن اندر کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔

خاموشی تخلیقی صلاحیتوں میں اضافہ کا سبب ہے۔ مائیکروسافٹ نے امریکی ریاست Minnesota میں ایک کمرا بنایا ہے جہاں داخل ہوکر دل کی دھڑکن، سانس اور کھانے کے ہضم ہونے کی آواز تک سنی جاسکتی ہے۔دیواروں کی تعمیر تین فٹ موٹے ساؤنڈ پروف فائبر گلاس اسٹیل اور پتھر سے کی گئی ہے۔یہ دیواریں باہر سے آنے والی 99.99 آوازیں جذب کر لیتی ہیں۔اس کمرے کو بے آواز کمرے کا نام دیا گیا ہے۔

آدمی صفر ڈیسی بیل تک دھیمی آواز سن سکتا ہے۔ ڈیسی بیل آواز کی طبیعی موجودگی کو ناپنے کا کم ترین پیمانہ ہے۔اس کمرے میں موجود یا غیر موجود آواز کی پیمائش منفی 9.4 ڈیسی بیل ہے یعنی آدمی کی ہلکی ترین آواز سننے کی صلاحیت سے بھی کم۔

کمرے میں فرد پر جو کیفیات طاری ہوتی ہیں، جانچنے کے لئے مائیکروسافٹ کے ایک انجینیئر گوپال پرپدی نے یہاں کچھ وقت گزارا۔

آدمی ہر وقت دور و قریب کی کوئی نہ کوئی آواز سنتا ہے۔جب گوپال کمرے میں داخل ہوا تو پس منظر کی آوازیں آنا بند ہوگئیں اور اس پر گہرا سکوت غالب ہوگیا۔چند سیکنڈ بعد اسے دماغ سن ہوتا محسوس ہوا جیسے وہ کسی غار میں ہو یہاں تک کہ جسم بے جان اور بے حرکت محسوس ہوا۔اس کا کہنا ہے کہ مجھے نہیں معلوم اگر میں یہاں کچھ دیر اور رہتا تو میرے ساتھ کیا ہوتا۔

خاموشی ایسا پھول ہے جس میں کانٹے نہیں ہوتے۔ خاندانوں میں چپقلش اور تنازع کی وجہ بے جا اور بلا ضرورت بولنا ہے۔لڑائی ہوتی ہے تو کوئی فریق چپ نہیں رہتا۔اگر پتھر کا جواب اینٹ سے دینے کے بجائے خاموشی کی حکمت عملی اپنائیں تو رشتے محفوظ ہوجاتے ہیں۔تنازع کی وجہ غیر ذمہ دارانہ گفتگو ہے جو جلتی پر تیل کا کام کرتی ہے۔سوال یہ ہے کہ ہمیں کب اور کن مراحل پر خاموش رہنا چاہئے؟

۱۔ جب موضوع پر معلومات نہ ہوں۔
۲۔ موڈ خراب ہو یا غصہ زیادہ ہو۔
۳۔ کسی کی دل آزاری کا خدشہ ہو۔
۴۔ آواز اونچی کئے بغیر بات نہیں کرسکتے تو خاموش رہیں۔
۵۔ غیبت اور چغل خوری کی جارہی ہو۔

چپ کا روزہ مکمل طور پر زبان سے بات چیت ترک کرنے کا نام نہیں ہے، جہاں ضرورت ہو وہاں بات کرنی چاہئے۔دراصل چپ کا روزہ برداشت اختیار

کرنے اور اس دوران اللہ تعالیٰ سے ذہنی ربط قائم کرنے کا عمل ہے۔

گریجویشن کرنے والے چار سو طلبا پر تحقیق کی گئی۔ نتیجہ یہ سامنے آیا کہ ناموزوں حالات پر صبر کرنے والے افراد پُرامید زندگی گزارتے ہیں اور دیگر لوگوں کی بہ نسبت اپنے آپ سے مطمئن ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں مطالعہ سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ شدید ٹریفک، موبائل یا کمپیوٹر خراب ہونے پر تحمل کا مظاہرہ کرنے والے افراد اچھی زندگی گزارتے ہیں۔

صبر — اللہ تعالیٰ پر توکل ہے۔ یہ ایسی صلاحیت ہے جس کی نشوونما فرد کی عمومی تربیت کے ساتھ ضروری ہے۔ صبر مقاصد کے حصول میں انتہائی کارآمد ہے۔ صابر لوگوں میں سر درد، دل کے امراض، السر، ڈائریا اور نمونیا کا تناسب کم ہے۔

حضرت لقمان نے بیٹے کو نصیحت کی تھی،

''اے میرے پیارے بیٹے! اگر تمہارا خیال ہے کہ بولنا چاندی ہے تو جان لو کہ خاموشی سونا ہے۔''

بہت باتیں کرنے والے افراد تبصرہ کئے بغیر نہیں رہتے۔ ان کے لئے چپ کا روزہ رکھنا مجاہدہ اور مشقت سے کم نہیں۔ مگر اچھی زندگی گزارنے کے لئے باتوں کے ساتھ خاموش رہنا ضروری ہے۔ باتونی افراد کے لئے کیا لائحہ عمل ہو کہ وہ خاموشی کی حکمت سے فائدہ اٹھائیں —؟

اہل دانش کے مطابق مندرجہ ذیل باتیں اہم ہیں۔

خود سے پوچھیں کہ اتنی باتیں کرنے سے کیا فائدہ ہوا؟

کیا زیادہ بولنے سے دل بھاری نہیں ہو جاتا؟

کیا باتونی افراد کو لوگ سنجیدہ لیتے ہیں؟

کیا زیادہ باتیں مسائل پیدا نہیں کرتیں؟

کیا آپ نے کم بولنے والوں میں بردباری پر غور کیا ہے؟

ابدالِ حق طرز کلام کے متعلق فرماتے ہیں،

''نوع انسانی کا طرز کلام جتنا محدود ہے اور اس کے اندر جتنی خامیاں ہیں، ہم ان پر غور نہیں کرتے۔ ممکن ہے ہماری نوع اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھتی ہو، یا اس طرف توجہ کرتی ہو تو اس طرح جیسے کوئی خلا میں جھانکتا ہے اور جھانکنے کو فضول سمجھ کر نظر انداز کر دیتا ہے۔

مثال: ہم کبھی افسانوی زبان میں یا واقعاتی تذکروں میں کہتے ہیں کہ ہمارا گزر ایک بہت بڑے اور گھنے جنگل سے ہوا۔ اس جنگل میں سائے تھے اور تیز ہوا کی چیخیں سنائی دیتی تھیں۔ تاریک راتوں میں جب ہوا رک جاتی تو جنگل بھیانک سناٹے اور موت کا نمونہ بن جاتا۔ آپ ان جملوں کو چند بار پڑھئے اور غور کیجئے کہ بیان کرنے والے نے فی الواقع کوئی صحیح اور معین بات کہی ہے؟ یا قارئین کو صرف اندھیرے میں پھینک دیا ہے۔ بیان کرنے والے نے یہ بات بالکل نہیں بتائی کہ جنگل میں کون کون سے درخت تھے۔ ان کا قد و قامت، ان کا رنگ و روپ، ان کی پھول پتیاں کس وضع کی تھیں اور ان درختوں سے ملحق کون کون سے پرندے، کس قسم کے جانور اور ان کی

شکل وصورت کیا تھی۔ زمین اور چھوٹے پودے اور زمین پر اگی ہوئی گھاس، زمین کا اتار چڑھاؤ، زمین پر بہنے والا پانی، نرم ریت اور سخت پتھریلے علاقوں کے نقش ونگار کیا تھے۔ اس جنگل میں کتنے آبشار، کتنے پہاڑ، کتنے ٹیلے اور کتنے ریگ زار تھے۔ قارئین کبھی یہ نہیں سوچتے کہ بات کس قدر بے سروپا کہی گئی ہے حالاں کہ وہ عبارت پڑھنے کے بعد کچھ نہیں سمجھتے بجز اس کے کہ جنگل کا ایک تصور ذہن میں بنا اور ذہن اس سے چمٹ کر سو گیا۔ اور صرف ایک سیکنڈ یا ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصہ میں جاگ اٹھا اس امید پر کہ آگے اور کیا پیش آیا، قصہ گو اور کیا کہے گا۔ قارئین اس مقام تک پہنچ کر مگن ہو جاتے ہیں اور افسانہ نویس یا مقرر کی تعریف کرنے لگتے ہیں۔ اس قسم کی بھول بھلیاں علم کے تمام میدانوں میں عام ہیں۔ ان ہی بھول بھلیوں سے متعلق انسان نے کروڑ در کروڑ کتابیں لکھیں، کھرب در کھرب تقریریں کیں اور سنکھ در سنکھ روزمرہ گفتگوؤں کی داغ بیل ڈالی ہے۔''

(تذکرۂ قلندر بابا اولیاؒ)

چپ رہنے اور خاموشی کی سکت اجاگر کرنے کا زریں اصول شکر ادا کرنے کی عادت ہے۔ نعمتوں کا شمار ممکن نہیں پھر نا موافق حالات سے کیا گلہ اور کیسا شکوہ! پاک باطن ہستیوں کی حیات کا مطالعہ کریں کہ انہوں نے جب کسی کی اصلاح کرنا چاہی تو بات کی، کسی کو واقعات میں حکمت کی طرف متوجہ کرنا چاہا تو بات کی، اللہ کی محبت سے واقف کرانا چاہا تو بات کی ورنہ چپ کا روزہ رکھا۔

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے بعد حضرت مریمؑ کو یہ خیال بے چین کئے ہوئے تھا کہ اگرچہ خاندان والے اور قوم میری عصمت و پاک دامنی پر یقین رکھتے ہیں پھر بھی اس بات کا کیا جواب ہے کہ بغیر باپ کے بچہ پیدا ہوا۔ پیغام الٰہی لے کر فرشتہ آیا،

''جب تو اپنی قوم میں پہنچے اور وہ تجھ سے اس معاملہ کے متعلق سوالات کریں تو جواب نہ دینا بلکہ اشارہ سے بتا دینا کہ میں روزہ سے ہوں اس لئے آج کسی سے بات نہیں کرسکتی۔ جو کچھ دریافت کرنا ہے اس بچہ سے پوچھ لو۔ تیرا پروردگار قدرت کاملہ کا نشان ظاہر کر کے ان کی حیرت دور اور قلوب کو مطمئن کرے گا۔''

حضرت مریمؑ مطمئن ہوگئیں۔ بیت المقدس پہنچیں تو لوگوں نے گھیر لیا اور کہنے لگے، مریم یہ تو نے بھاری تہمت کا کام کرلیا۔ اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں۔ پھر تو یہ کیا کر بیٹھی ہے؟

حضرت مریمؑ نے بچہ کی طرف اشارہ کیا کہ جو کچھ پوچھنا ہے اس سے معلوم کرلو، میں روزہ سے ہوں۔

لوگوں نے تعجب سے کہا، ہم کس طرح شیر خوار بچہ سے پوچھ سکتے ہیں جو ابھی ماں کی گود میں ہے؟

بچہ فوراً بول اٹھا،

''میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اللہ نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے اور اس نے مجھے مبارک بنایا خواہ میں کسی حال اور جگہ پر ہوں اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ جب تک زندہ ہوں میرا یہی شعار ہوگا اور میرے پروردگار نے مجھ کو میری ماں کا خدمت گزار بنایا۔

خودسر اور نافرمان نہیں بنایا۔اس کی جانب سے مجھ کوسلامتی کا پیغام ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن پھر اٹھایا جاؤں گا۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پیغمبر حضرت زکریاؑ کو چپ کے روزہ کا حکم فرمایا۔حضرت زکریاؑ کی عمر 120 سال تھی، لاولد تھے۔ جب انہوں نے بی بی مریمؑ کے حجرہ میں بے موسم پھل دیکھے اور معلوم ہوا کہ حضرت مریمؑ پر خدا کا فضل و انعام ہے تو چاہا کہ اللہ مجھے اولاد کی نعمت سے نوازے۔دعا کی،

''اے اللہ! مجھے پاک باطن اولاد عطا فرما۔''

ایک روز عبادت کے دوران فرشتہ نے بشارت دی۔

''تمہارے بیٹا پیدا ہوگا، اس کا نام یحییٰ رکھنا۔''

تعجب سے پوچھا، یہ بشارت کس طرح پوری ہوگی؟

فرشتہ نے جواب دیا، میں یہی بتا سکتا ہوں کہ اللہ آپ کو اولاد نرینہ عطا کرے گا، اللہ کے لئے ہر کام آسان ہے، وہ قادر مطلق ہے۔

حضرت زکریاؑ نے دربار الٰہی میں عرض کیا، اے اللہ! ایسا کوئی نشان عطا کر جس سے معلوم ہو کہ بشارت پوری ہوگئی ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

''نشانی یہ ہے کہ جب تم تین روز تک بات نہ کرسکو اور صرف اشاروں سے ہی اپنا مطلب ادا کرسکو تو سمجھ لینا کہ بشارت پوری ہوگئی ہے لیکن تم ان دنوں میں اللہ کی تسبیح پڑھتے رہنا۔''

حضرت زکریاؑ نے حکم پر عمل کیا اور اللہ تعالیٰ نے اولاد نرینہ سے نوازا۔

''رمضان المبارک میں تجلی کے پروگرام پر یک سوئی کے ساتھ عمل کیا۔ شب قدر میں خضوع و خشوع کے ساتھ عبادت میں مشغول تھا کہ جھما کا ہوا اور پورا عالم نور سے روشن ہوگیا۔اللہ تعالیٰ کے حضور فوراً سجدہ کیا اور آنکھیں اس طرح بھیگ گئیں جیسے چہرہ دھل گیا ہو۔''

(شب قدر میں ایک صاحب کی کیفیات)

عظیمی صاحب اس کی توجیہ بیان فرماتے ہیں کہ،

''تین دن رات یعنی چار ہزار تین سو بیس منٹ تک خاموشی میں حضرت زکریاؑ کا ذہن اس طرف متوجہ رہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بیٹا عطا کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ چار ہزار تین سو بیس منٹ تک ان کا ذہن یقین کے ساتھ یہ بات دہراتا رہا کہ میں باپ بننے والا ہوں۔اس خیال کی تکرار اور عبادت سے ان کے بوڑھے جسم میں حرارت پیدا ہوگئی اور معطل تولیدی نظام بحال ہوگیا۔''

عمل میں تسلسل سے یقین پیدا ہوتا ہے۔یقین توانائی ہے۔ ہر فرد کے اندر روح متحرک ہے۔ روح کے بغیر جسم بے حیثیت ہے۔روح اللہ کا امر ہے۔ذہن ایک نقطہ پر قائم ہونے سے اللہ کے قانون کے مطابق ارادہ میں جو کچھ ہوتا ہے وہ مظاہرہ بن جاتا ہے۔

چپ کا روزہ غیبی دنیا میں داخل ہونے کا دروازہ ہے اور یقین کو مستحکم کرتا ہے۔ پس غیر ضروری گفتگو سے اجتناب کیجئے، چپ رہئے اور خوش رہئے۔

نفیسہ شاکر

جسم کی زکوٰۃ

بیش تر افراد روزہ میں اکتاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اکتاہٹ و ناگواری کا تعلق روزہ سے نہیں ہے۔ روزہ رحمانی اوصاف سے متعارف ہونے کی مشق ہے۔ اکتاہٹ کا تعلق رویہ سے ہے۔ کیا ایسے لوگ رمضان کے علاوہ عام دنوں میں خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہیں ــــ؟

کون نہیں چاہتا کہ وہ اچھے سے اچھا، صاف ستھرا لباس پہنے، پوشاک کو نقصان نہ پہنچے اور لباس پھٹنے اور بوسیدہ ہونے سے محفوظ رہے تاکہ تازگی و شگفتگی محسوس ہو اور دوسروں تک شخصیت کا خوش گوار تاثر پہنچے۔ کپڑا جسم کے لئے لباس ہے اور جسم بذات خود روح کا لباس ہے۔ جس طرح ہم چاہتے ہیں کہ کپڑے میلے نہ ہوں اسی طرح روح چاہتی ہے کہ خاکی پتلے سے تعفن دور ہو، جسم اور ذہن بیماریوں سے محفوظ اور پاک صاف رہے۔

نبی کریمؐ کا ارشاد ہے،

''ہر شے کی زکوٰۃ ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے۔''

رمضان میں سحر سے افطار تک ہم کثافت کا ترک کرتے ہیں۔ اگر ایک فرد کو معلوم ہو کہ وقت بے وقت کھانے سے گائے اور آدمی میں فرق نہیں رہتا تو کیا وہ گائے سے ممتاز ہونے کی کوشش نہیں کرے گا ــــ؟

سحر سے افطار کے اوقات جسم کی مشینری کے لئے نعمت ہیں اور کثافت سے محفوظ رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں روزہ رکھنے سے جسمانی اعضا کی کارکردگی بہتر ہوتی ہے اور نتیجہ میں ذہنی و جسمانی صحت کو فائدہ پہنچتا ہے۔

روزہ کے طبی فوائد یہ ہیں۔

جسم کی مشینری اس وقت متحرک ہوتی ہے جب منہ میں لقمہ جاتا ہے۔ دانت غذا چبانا شروع کرتے ہیں، اطلاع دوسرے اعضا تک پہنچتی ہے اور تمام اعضا اپنے کام کی انجام دہی کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

صحت اور بیماری کا تعلق معدہ سے ہے۔ معدہ متاثر ہونے سے دل، جگر، گردے، پھیپھڑے وغیرہ کسی نہ کسی حد تک متاثر ہو جاتے ہیں۔ کھانا حلق سے اتر کر پہلے معدہ میں جاتا ہے، معدہ کا فعل درست نہ ہو تو غذا دیگر اعضا کو نقصان پہنچاتی ہے۔ ہلکی غذا استعمال کرنے سے معدہ پر بوجھ کم پڑتا ہے، خون صاف رہتا ہے اور کھانا جلد ہضم ہو جاتا ہے۔ ورنہ مرچ مسالوں اور روغنی

غذاؤں سے تیزابیت پیدا ہوتی ہے، معدہ میں جلن اور آنتیں خشک ہونے لگتی ہیں۔

معدہ کے بعد جگر کا کام ہضم شدہ اور غیر ہضم شدہ غذا میں توازن رکھنا ہے۔ روزہ کے دوران جگر ہر وقت کے کھانے بالخصوص بھاری غذاؤں کو جمع کرنے کے عمل سے محفوظ ہوجاتا ہے، گلے اور غذائی نالی کو آرام ملتا ہے، معدہ سے رطوبتوں کے اخراج میں توازن پیدا ہوتا ہے۔ تیزابیت نہیں ہوتی۔

روزہ خون کی گردش کو متوازن رکھتا ہے۔ خون کی گردش میں تیزی، کمی یا اعتدال کا تعلق سوچ سے ہے۔ غصہ اور پریشانی دونوں سے متاثر نہ ہونے یعنی سکون کی حالت میں خون کا دباؤ اعتدال میں رہتا ہے۔

روزہ قلبی سکون کا ذریعہ ہے اس لئے صحیح روح کے ساتھ ادا کرنے والا فرد ہائی یا لو بلڈ پریشر سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے سائنسی تجربہ کی ضرورت نہیں — ہر فرد تجربہ کرکے تجزیہ کرسکتا ہے۔

روزہ میں خون میں مائع کی مقدار میں مناسب کمی سے خون اور دل کے پٹھوں پر دباؤ (ڈایاسٹولک دباؤ) کم ہوتا ہے بالفاظ دیگر اس وقت دل آرام کی حالت میں ہوتا ہے۔ ماہرین کے مطابق جسم میں وقتی طور پر پانی کی کمی بلڈ پریشر کو کم کرکے دل کو آرام کا موقع دیتی ہے۔ ڈایاسٹولک دباؤ کی وجہ تناؤ ہے جس کا سبب پریشانیاں ہیں۔ روزہ میں ذکر الٰہی کے طفیل ذہن پریشانیوں سے ہٹتا ہے اور دباؤ محسوس نہیں ہوتا۔

طویل وقت تک کچھ نہ کھانے سے خون کی شریانوں کی دیواروں پر چربی اور غذائی اجزا نہیں جمتے نتیجہ میں تعفن پیدا نہیں ہوتا۔ روزہ کے دوران خون میں غذائیت کی کمی کے باعث ہڈیوں کا گودا خون بنانے کا عمل تیز کردیتا ہے۔

خون کا تعلق دل سے ہے۔ دل کی بیماریوں کا ایک اہم سبب کولیسٹرول میں اضافہ ہے۔ کولیسٹرول کا ایک ذریعہ جگر اور دوسرا غذا ہے۔ ماہرین صحت کہتے ہیں کہ جگر میں روزانہ تقریباً ایک ہزار ملی گرام کولیسٹرول بنتا ہے یہ جسم کی ضرورت کے لئے مناسب ہے۔ اسی طرح ایک فرد عام دنوں میں پانچ سو تا ایک ہزار گرام غذا روزانہ کھاتا ہے۔ غذا کی زیادہ مقدار بالخصوص لحمیات اور چکنائی سے بھرپور غذا دل کی رگوں کو کم زور کرتی ہے اور قوت ہاضمہ کو نقصان پہنچاتی ہے۔ رمضان المبارک میں مناسب ہلکی غذا اور وقفہ کی وجہ سے دل کی شریانوں کو تقویت ملتی ہے۔

جسم خلیات سے مرکب ہے اس لئے روزہ کا بنیادی اثر خلیات پر ہوتا ہے۔ سحر اور افطار کے دوران خلیہ اور خلیہ میں سیال کے درمیان توازن قائم ہوتا ہے۔

اپی تھیلیل (epithelial) لعاب دار جھلی کی بالائی سطح سے متعلق خلیات ہیں، ان کے ذمہ جسم کی رطوبت کا متواتر اخراج ہے۔ روزہ میں یہ خلیات سکون کی

حالت میں ہوتے ہیں جس سے ان کی کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ لعاب بنانے والے، گردن اور لبلبہ کے غدود کو آرام ملنے سے ان کی فعالیت بڑھ جاتی ہے۔

اسی طرح روزہ جین پر بھی مثبت اثرات مرتب کرتا ہے اور مرمت کرنے والے کئی جین جسم میں متحرک ہوجاتے ہیں۔ یہ عمل بڑھتی عمر اور بڑھاپے کے اثرات کو کم کرنے میں معاون ہے۔

زندگی کیا ہے، اس پر غور کرنے والے لوگ کم ہیں البتہ طویل زندگی کے خواہاں لوگوں کی تعداد کا شمار نہیں۔ اگر یہ سمجھا جائے کہ بھوکا پیاسا رہنے سے صحت خراب رہتی ہے تو یہ تاثر غلط ہے۔ ان باتوں کا تعلق ہماری عادتوں سے ہے۔ جن کو وقت بے وقت کھانے کی عادت ہے انہیں روزہ میں ضرور چکر آتے ہوں گے لیکن روز مرہ زندگی میں اعتدال میں کھانے والے احسن طریقہ سے بھوک برداشت کرتے ہیں۔

روزہ رکھنے سے اضافی چربی گھلتی ہے اور روح توانا ہوتی ہے — فائدہ جسم کو پہنچتا ہے۔ ایسے لوگ کم وقت میں زیادہ کام کرتے ہیں، ان کا جسم تھک جاتا ہے لیکن روح سرشار ہوتی ہے۔

روزہ میں تحمل اور برداشت پیدا ہوتی ہے۔ بندہ خود کو ان چیزوں سے دور کرلیتا ہے جن سے رکنا عام حالات میں مشکل ہوتا ہے۔ تمباکو نوشی کرنے والے افراد کے لئے نشہ کی عادت سے چھٹکارا پانے کا یہ بہترین عمل ہے۔ رمضان میں روزہ کے تقاضوں کو پورا کرنے کا اجتماعی ماحول بن جاتا ہے۔ تربیت میں ماحول کا کردار اہم ہے۔ ماحول کے زیر اثر کسی رویہ کو چھوڑنا یا اپنانا آسان ہے۔ ہمت اور ارادہ کرلیا جائے تو نشہ کی عادت ترک ہوسکتی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ روزہ دار کا ذہن مسلسل اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے۔ ذہن جب حیات و ممات کے خالق کی طرف متوجہ ہوجائے تو سکت میں اضافہ ہوتا ہے۔

بیش تر افراد روزہ میں اکتاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اکتاہٹ و ناگواری کا تعلق روزہ سے نہیں ہے۔ روزہ تو رحمانی اوصاف سے متعارف ہونے کی مشق ہے۔ اکتاہٹ کا تعلق رویہ سے ہے۔ کیا ایسے لوگ رمضان کے علاوہ عام دنوں میں خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہیں —؟ ہر فرد طبیعت کے مطابق رویوں کا اظہار کرتا ہے۔ عدم برداشت، مزاج میں سختی، بے وجہ الجھن، جو میں چاہتا ہوں وہ ہو جائے جیسی عادتیں اکتاہٹ کا سبب ہیں۔

روزہ کو اصول کے مطابق رکھیں، اس خوشی کے ساتھ کہ روزہ اللہ کے لئے ہے، قلب کو جِلا ملتی ہے اور اعصابی نظام پرسکون ہوتا ہے۔ دنیاوی معمولات کی انجام دہی کے ساتھ ذکر و فکر کی طرف بھی توجہ دیں تاکہ زیادہ سے زیادہ توانائی ذخیرہ ہو۔

تجربہ ہے کہ جو لوگ مصروفیات کے باوجود ذکر و فکر

میں مشغول رہتے ہیں ان میں حلاوت پیدا ہوتی ہے اور چہرہ پر بشاشت ہوتی ہے۔ یہ اعصابی نظام کے پرسکون رہنے کا نتیجہ ہے۔

تیس روزوں کی مشق سے وہ چربی خرچ ہوتی ہے جو ضرورت سے زائد ہے تاہم رمضان میں وزن میں کمی کے علاوہ زیادتی بھی دیکھی گئی ہے۔ وجہ ثقیل غذائیں ہیں اور افطاری میں دن بھر کی کسر پوری کر دینا ہے۔ مقوی غذائیں جسم کو سست کرتی ہیں، نیند کا غلبہ ہوتا ہے اس طرح وزن بڑھ جاتا ہے۔ ماہرین صحت کہتے ہیں کہ موٹاپے کی وجہ سے زنانہ ہارمونز میں کمی بیشی سے بیضہ کی نشوونما متاثر ہوسکتی ہے اور بانجھ پن کا خدشہ موجود ہوتا ہے۔ ڈائٹنگ کے بجائے روزے رکھے جائیں تو وزن میں کمی کا مسئلہ حل ہوجاتا ہے۔

تمام الہامی مذاہب میں روزہ فرض ہے۔ صحیح طور پر روزہ رکھنے والے اس کی افادیت سے واقف ہیں، چاہے ان کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو۔ مغرب کی ایک معروف یونی ورسٹی کے پروفیسر مورہالڈ روزہ سے متعلق تجربہ بیان کرتے ہیں کہ،

''جب میں نے تجربہ کے طور پر روزہ کے حکم پر عمل کیا تو جسم میں مثبت تبدیلیاں محسوس ہوئیں جیسے سارا نظام نیا ہوگیا ہے۔''

اچھی صحت، پرسکون ذہن اور تعفن سے پاک زندگی کے لئے روزہ کو اصل روح کے مطابق رکھئے۔

حضرت نفیسہ بنت حسنؒ تقویٰ شعار گھرانے میں پلی بڑھیں اور حسن و اخلاق کا پیکر بن گئیں۔ حافظ قرآن تھیں۔ لاتعداد لوگوں نے فیض حاصل کیا۔ ''نفیسۃ العلم والمعرفت'' کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ دن میں روزے رکھتیں، رات کو شب بیداری کرتیں، توبہ استغفار میں مشغول رہتیں، تہجد کا خاص اہتمام کرتیں۔ تیس حج کئے۔ حج کے موقع پر تلبیہ کے وقت زاروقطار روتی رہتیں اور خانہ کعبہ کے پاس خشوع وخضوع سے دعا کرتیں،

''الٰہی تو ہی میرا آقا ہے۔ ناچیز بندی تیری رضا چاہتی ہے۔ تو مجھے ایسا کردے کہ تیری رضا پر راضی رہوں۔''

ایک مرتبہ دوسرے شہروں سے کچھ خواتین آئیں اور آپ سے اپنے گھر تشریف لانے کا شکریہ ادا کیا۔ ایک نے کہا، آپ نے جو کام مجھے دیا تھا وہ کردیا ہے۔ آپ نے اس کی تعریف کی اور مزید ہدایات دیں۔ ان کے جانے کے بعد ایک شاگرد نے پوچھا، آپ کافی عرصہ سے کہیں نہیں گئیں تو یہ کیسے ملنے کا تذکرہ کررہی تھیں؟ فرمایا:

''یہ خواتین جنات کے قبائل سے تعلق رکھتی ہیں۔ اللہ کے بندوں کا وہاں آنا جانا ہوتا رہتا ہے۔''

رمضان المبارک میں قرآن پاک کی تلاوت کررہی تھیں کہ اچانک ضعف غالب ہوا، نبض ڈوبنے لگی۔ سب نے اصرار کیا کہ روزہ توڑ دیں۔ فرمایا:

''روزہ کی جزا خود اللہ ہے۔ تیس سال سے میری یہ آرزو تھی کہ روزہ کی حالت میں اپنے خالق کے حضور حاضر ہوں۔ اب یہ آرزو پوری ہورہی ہے۔''

تلاوت کرتے ہوئے جاں بحق ہوگئیں۔ آخری آرام گاہ قاہرہ میں ہے اور مشہد نفیسیہ کے نام سے مشہور ہے۔

اظہر حسین

مظاہر کی نفی

زندگی میں بے اعتدالی کی وجہ سے اعضا تھک جاتے ہیں تو اثر روح پر پڑتا ہے کیوں کہ اسے معمول کی بہ نسبت زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آدمی کو نیند آجاتی ہے۔ نیند کے دوران روح قلب و جسم کو توانائی فراہم کرتی ہے۔ سکت کے مطابق توانائی ذخیرہ ہونے پر روح اپنی رفتار مغلوب کر کے جسم کی رفتار کے مطابق حرکت کرتی ہے — اس عمل کو بیداری کہتے ہیں۔

عام آدمی اسی معمول کے تحت زندگی گزارتا ہے جب کہ قرآن کریم میں شب بیداری کی ہدایت ہے۔

''اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے، رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم، آدھی رات، یا اس سے کچھ کم کرلو، یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو، اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو'' (المزمل: ۱-۴)

شب بیداری کا مقصد کیا ہے —؟ نیند کی دنیا میں جس رفتار سے نسمہ حرکت کرتا ہے، اس رفتار سے واقفیت — رات کے حواس میں داخل ہونا ہے۔

شب بیداری کا طریقہ کار قرآن کریم اور احادیث میں موجود ہے۔ اس میں ذکر کیا جاتا ہے، نوافل پڑھے جاتے ہیں، قرآن کریم کی تلاوت اور ترجمہ پر تفکر کیا جاتا ہے۔

عبادات ذہن کو فکشن رفتار سے نکال کر اس فریکوئنسی سے ہم آہنگ کرتی ہیں جو بیداری میں رہ کر رات کے حواس میں داخل ہونے کے لئے ضروری ہے۔

اس معمول کو اپنانے کا بہترین وقت رمضان المبارک ہے۔ رمضان المبارک ایک مکمل پروگرام ہے جو دن اور رات میں — دن کے حواس کو مغلوب کر کے رات کے حواس کو غالب کرتا ہے۔ تیس روز کی مشق سے اس پروگرام کو پورے سال جاری رکھنے کی عادت ہوجاتی ہے۔

روزہ کو عربی میں صوم کہتے ہیں جس کے معنی ان چیزوں سے رکنے کے ہیں جو عام حالات میں جائز ہیں۔ توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ رمضان المبارک میں ہر روز مخصوص وقت کے لئے ان امور سے کیوں روکا گیا ہے جو عام دنوں میں جائز ہیں؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کردیئے گئے، جس طرح تم سے پہلے انبیا کے

پیروکاروں پر فرض کئے گئے تھے تا کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوجائے۔'' (البقرۃ: ۱۸۳)

تقویٰ — یقین کی دنیا ہے جس میں داخل ہوکر بندہ اللہ کی قربت سے واقف ہوتا ہے۔ روزہ کا مقصد یہ ہے کہ انسان دل و جان سے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود میں رہ کر زندگی بسر کرے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رمضان المبارک آیا تو نبی کریمؐ نے فرمایا،

''بے شک یہ مہینہ تم پر آیا ہے، اور اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے، جو شخص اس رات سے محروم رہا، وہ ہر خیر سے محروم رہا۔'' (ابن ماجہ)

رمضان المبارک میں جسمانی نظام رات کے علاوہ دن کے اوقات میں خوابیدہ حالت میں چلا جاتا ہے، اس سے توانائی ذخیرہ ہوتی ہے اور ذکر کرنے سے اس میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔

روزہ رکھنے سے نظام الاوقات فطرت سے ہم آہنگ ہوجاتا ہے، ذہن و دل صفائی کے مراحل سے گزرتے ہیں تو قوت مدافعت بڑھ جاتی ہے اور مضبوط قوت مدافعت سے بندہ ہر کام کرسکتا ہے، یہاں تک کہ عالم ناسوت کے زون سے نکلنے اور دیگر عالمین میں داخل ہونے کی سکت بیدار ہوتی ہے۔ واضح رہے یہ تمام فوائد ان لوگوں کے لئے ہیں جو صحیح طرز پر روزہ رکھتے ہیں۔

عظیمی صاحب روزہ سے متعلق فرماتے ہیں،

''اللہ تعالیٰ نے ہمیں دو پروگرام عطا کئے ہیں۔

۱۔حصول ۲۔ترک

حصول کا پروگرام تو معاشیات کے اصول بتاتا ہے لیکن ترک کا پروگرام اس سے بہت بڑا ہے اور وہ ایسے اصول سکھاتا ہے جو مظاہر سے آہستہ آہستہ دور لے جاتے ہیں۔ اگرچہ آدمی مظاہر میں پھنسا رہتا ہے لیکن اس کی روح آہستہ آہستہ اللہ سے قریب ہوجاتی ہے۔ یہ پروگرام بندہ کو اللہ سے اتنا قریب کردیتا ہے کہ جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ میں تمہاری رگ جاں سے زیادہ قریب ہوں۔''

روزہ ہمیں ایسے نقطہ پر لے آتا ہے جہاں سے مظاہر کی نفی شروع ہوتی ہے۔ مثلاً وقت معینہ تک ظاہری حواس سے توجہ ہٹا کر ذہن کو اس بات پر آمادہ کرنا کہ ظاہری حواس کے علاوہ اور بھی حواس ہمارے اندر موجود ہیں جو ہمیں آزاد دنیا (غیب کی دنیا) سے روشناس کرتے ہیں۔

روزہ زندگی میں کام کرنے والے ظاہری حواس پر ضرب لگا کر ان کو معطل کردیتا ہے۔ بھوک پیاس پر کنٹرول، گفتگو میں احتیاط، نیند میں کمی اور چوبیس گھنٹے کسی نہ کسی طرح سے یہ کوشش کی جاتی ہے کہ مظاہر کی گرفت سے نکل کر غیب میں سفر کیا جائے۔

''روزہ میرے لئے ہے اور روزہ کی جزا میں ہوں۔'' (حدیث قدسی)

ربّا میرے حال دا محرم توں

سفر کے دوران رفتار تیز ہو تو یہ بات توجہ طلب ہے کہ وہ مکانات، درخت، پہاڑ، راستہ، کھیت، کھلیان، گاڑیاں اور لوگ جو عام طور پر ٹھوس نظر آتے ہیں، وہ رفتار تیز ہونے کی وجہ سے سکڑے ہوئے یا سمٹے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں ٹھوس پن محسوس نہیں ہوتا۔

ربّا میرے حال دا محرم توں
اندر توں ہیں باہر توں ہیں
روم روم وچ توں
توں ہیں تانا توں ہیں بانا
سبھ کجھ میرا توں
کہے حسینؔ فقیر نمانا
میں ناہیں سبھ توں

خلا ـــ خالی نظر آتا ہے لیکن یہ خالی نہیں۔ خلا میں تانا بانا ہے، تانے بانے پر تصورات قائم ہیں اور تصورات مخلوق ہیں۔ سوال یہ ہے کہ خلا کیا ہے؟

تانا بانا کسے کہتے ہیں؟

مخلوق کیا ہے؟

نقش یا تصورات کی وضاحت کیسے ہو؟

اور تانے بانے میں مخلوق کا نقش ہونا کیا ہے؟

تصورات ـــ ڈائی مینشن ہیں، ان کا نقش ہونا بتاتا ہے کہ یہ عکس کی صورت میں موجود ہیں۔ جب اس عکس میں موجود خمیر ابھرتا ہے تو ہم اسے جیتا جاگتا فرد سمجھتے ہیں۔ غور کیجئے کہ خمیر کا ابھرنا کیا ہے ـــ؟

غبارہ سب نے دیکھا ہے، غبارہ والا گیس کے ذریعے یا اپنے منہ سے غبارہ میں ہوا بھرتا ہے تو غبارہ کے اندر دباؤ پیدا ہوتا ہے اور اس عمل سے غبارہ پر بنے ہوئے نقش و نگار واضح ہوتے ہیں۔ کہیں ہاتھ بنتا ہے، کہیں ناک، آنکھیں، کان اور چہرہ بنتا ہے، یہاں تک کہ جسم نمایاں ہوجاتا ہے۔ اس سے قبل خدوخال غبارہ پر موجود تھے لیکن نظر نہیں آئے۔ مادی آنکھ نے ان کو اس وقت دیکھا جب خلا میں دباؤ پیدا ہوا۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب کسی شے میں ہوا بھری جاتی ہے تو اس کے اندر دباؤ پڑنے سے مادی آنکھ کے لئے خدوخال نمایاں ہوتے ہیں اور جب دباؤ کم ہوتا ہے تو خدوخال اوجھل ہوجاتے ہیں ـــ ان کی ڈائی مینشن مغلوب ہوجاتی ہے۔ یہ سارا عمل خلا میں واقع ہوتا

ہے جسے ہم خالی سمجھتے ہیں۔

خلا کیا ہے ـــ؟ خلا کی ساخت اسپیس کے سوا کچھ نہیں۔ ہر وہ شے جو جگہ لیتی ہے، اسپیس ہے۔ ایک قطار میں دو کمرے ہیں۔ دونوں کمروں کے درمیان دیوار ہے۔ فرد عموماً دیوار کو نظر انداز کر کے چار دیواری کے اندر جس وجود کو ہم کمرا کہتے ہیں، اسے اسپیس سمجھتا ہے جب کہ دیوار بھی اسپیس ہے۔ اس نے جگہ گھیری ہوئی ہے اور اس اسپیس میں خلا ہے۔

دیوار ریت کے ذرّات کا مجموعہ ہے۔ عمارت کی تعمیر کے لئے ریت میں پانی ملاتے ہیں۔ ریت کا ہر ذرّہ دوسرے سے پانی کے ذریعے متصل ہے، اس ذرّہ میں کھنکھناہٹ ہے۔ کھنکھناہٹ سے واضح ہوتا ہے کہ ذرّات اندر سے خالی ہیں۔ خول میں سے آواز کا باہر آنا متوجہ کرتا ہے کہ جس کو ہم خول سمجھ رہے ہیں، وہ ٹھوس نہیں ہے، اس میں بھی اسپیس ہے، یہی وجہ ہے کہ آواز آر پار ہو جاتی ہے۔ اسپیس کے بغیر کوئی وجود زیرِ بحث نہیں آتا۔

حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اسپیس جس کو ہم عموماً ٹھوس سمجھتے ہیں، وہ ٹھوس نہیں ـــ آنکھ اس کو جما ہوا دیکھتی ہے۔ خالقِ کائنات کا ارشاد ہے،

''تم پہاڑوں کو قیاس کی نظر سے دیکھتے ہو اس لئے گمان کرتے ہو کہ یہ جمے ہوئے ہیں، یہ جمے ہوئے نہیں، بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔'' (النمل: ۸۸)

وضاحت یہ ہے کہ آدمی پہاڑ کو نہیں، اپنے ذہن کے دیکھنے کو دیکھتا ہے۔ چیزیں آنکھ میں لگے لینس کے مطابق نظر آتی ہیں۔ مادی لینس یعنی وہ لینس جس میں جمود ہے، وہ شے کو جامد دکھاتا ہے۔

جمود کیا ہے ـــ؟ ذہن کی رفتار کا کم سے کم ہونا ہے اور یہ اسفل سافلین کا زون ہے۔

سفر ہمیشہ رفتار کے تحت طے ہوتا ہے۔ رفتار صفر ہے، تو ہر شے رکی ہوئی نظر آتی ہے لیکن رفتار تیز ہو تو لگتا ہے ہم جس سمت میں جا رہے ہیں، ماحول میں موجود مناظر اس کے متضاد رخ پر پیچھے کی طرف بڑھ رہے ہیں جیسے وہ پیچھے جا کر ہمیں آگے دھکیل رہے ہوں۔

سفر کے دوران رفتار تیز ہو تو یہ بات توجہ طلب ہے کہ وہ مکانات، درخت، پہاڑ، راستہ، کھیت، کھلیان، گاڑیاں اور لوگ جو عام طور پر ٹھوس نظر آتے ہیں، وہ رفتار تیز ہونے کی وجہ سے سکڑے ہوئے یا سمٹے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں ٹھوس پن محسوس نہیں ہوتا۔

مثلاً تصویر کھینچتے ہوئے جب لینس کے سامنے بیٹھا ہوا شخص ہل جاتا ہے تو تصویر میں اس کی شکل و صورت ہیولیٰ یا لائٹ والی باڈی کی طرح نظر آتی ہے، وہ لائٹ باڈی جو دیوار میں سے گزر جائے۔

سوچئے فرد کی حقیقت کیا ہے ـــ؟

اگر ذہن پر جمود ہے تو اشیا ٹھوس نظر آتی ہیں اور اگر ذہن کی رفتار تیز ہو جائے تو ٹھوس باڈی مغلوب

ہونے سے اس کا وزن اور حجم بظاہر کم نظر آتا ہے، اسپیس سمٹ جاتی ہے اور رنگوں کا دھندلا تاثر غالب ہوتا ہے جو اس نے پہنے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ٹھوس پن کہاں غائب ہوا—؟

ٹھوس فریب نظر ہے۔ یہی ٹھوس جب پگھلتا ہے تو سیال بنتا ہے اور سیال مزید پگھلنے سے بخارات بن جاتے ہیں۔ سیال کا بخارات میں تبدیل ہونا کیا سیال کا الوژن ہونا نہیں ہے—؟ سیال بخارات بنتے ہیں اور بخارات بھی فضا میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔

تحلیل ہونا نشان دہی ہے کہ بخارات کے بعد بھی شے کی ایک حالت ہے۔ تصوارت سے بھرے ہوئے بخارات فضا میں پھیل کر اپنے اندر خلا کو نمایاں کرتے ہیں اور اس خلا کو ہم فضا، بادل یا آسمان سمجھتے ہیں۔ پھر مخصوص درجہ حرارت کے تحت ٹھوس، مائع اور گیس کا عمل ایک بار پھر خود کو دہراتا ہے۔

خلا گول دائروں میں گھومتی ہوئی ایک ایسی اسپیس ہے کہ فرد ایک کے بعد ایک دائرہ میں داخل ہوتا ہے لیکن خلا ختم نہیں ہوتا۔ دائرہ اس لئے کہا گیا ہے کہ شے جہاں سے آتی ہے، وہاں واپس چلی جاتی ہے۔

دائرہ در دائرہ بننے کی مثال سنک (sink) میں جاتے ہوئے پانی کی ہے۔ پانی گول گول گھومتے ہوئے دائرہ در دائرہ تیزی سے اندر کی جانب جاتا ہے۔ دائرہ داخلی رخ میں ہوتا ہے تو دائروں کی اسپیس درجہ بہ درجہ کم ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں کہا جائے گا کہ دائرے چھوٹے ہوتے جاتے ہیں۔

دائرہ کا پھیلنا اور سمٹنا کیا ہے—؟ دائرہ پھیلنے سے رفتار کم ہوتی ہے اور جب دائرہ سمٹتا ہے تو رفتار تیز ہو جاتی ہے۔

خلا کو سمجھنے کی ایک مثال سمندر ہے۔

سمندر زمین کا وہ ٹکڑا ہے جو پانی، آبی مخلوقات، پہاڑوں اور گھاٹیوں سے بھرا ہوا ہے۔ سمندر میں پہاڑ نیچے ہیں اسی لئے پانی اوپر ہے۔ پہاڑ اوپر آئے تو پانی نشیب میں بہہ جائے گا اور نشیب — سمندر بن جائے گا۔ سمندر کو دیکھ کر لگتا ہے کہ یہ پانی سے بھرا ہوا ہے جب کہ آپ سمندر کے جس حصہ میں داخل ہونا چاہیں، کنکر یا پتھر پھینکیں — پتھر، کنکر یا آپ اندر داخل ہو جائیں گے۔

جس سمندر کو ہم پانی سے بھرا ہوا سمجھ رہے ہیں کیا اس میں موجود پانی خلا کے علاوہ کچھ ہے—؟ اس پانی میں اندر پہاڑ اور ایک پوری دنیا ہے، آبی مخلوقات پانی کے خلا ہونے کی وجہ سے جہاں چاہیں، تیرتی ہیں۔

خلا کا ایک مطلب وہ اسپیس جس میں شے کو قبول کرنے کی صلاحیت ہو۔ کائنات میں ہر شے دوسری شے کو قبول کر رہی ہے کیوں کہ کائنات خلا ہے۔

سمندر کی مثال سے واضح ہوتا ہے کہ پانی کی تخلیق

خلا کے علاوہ کچھ نہیں۔ جب ہر شے پانی سے پیدا ہوئی ہے تو سب میں خلا لازم ہے۔

بہاء الدین زکریا یونی ورسٹی ملتان کے ایم اے اسلامیات کے نصاب میں شامل کتاب ''احسان و تصوف'' میں تانے بانے کو کپڑے پر ایمبرائیڈری یا قالین پر شیر بُنے ہونے کی مثال سے سمجھایا گیا ہے۔

''خلا ایک تانا بانا ہے۔ اس تانے بانے میں مخلوق نقش ہے۔ جیسے کپڑے پر ایمبرائیڈری یا قالین پر شیر بُنا ہوا ہے۔ خلا کا دوسرا رخ محض تانا ہے اس پر بھی مخلوق کے خدوخال نقش ہیں۔ خلا کا تیسرا رخ ایسی لہروں سے مرکب ہے جس میں تانا بانا نظر نہیں آتا۔''

کپڑے میں نقش و نگار کو دیکھیں یا قالین پر شیر کو، دونوں تصویریں ہیں۔ تصویروں کو غور سے دیکھنے پر ان میں زندگی کا احساس ہوتا ہے جیسے سامنے تصویر نہیں — جیتا جاگتا شیر ہو۔ یعنی کسی بھی فرد کی موجودگی حواس کے سبب ہے ورنہ اس کی حیثیت تصویر کی ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کو بادشاہ نے کسی معاملہ کی باز پرس کے لئے دربار میں بلایا۔ ان کے مرید حضرت ابوبکر شبلیؒ ہم راہ تھے۔ بادشاہ نے حضرت جنید بغدادیؒ سے گستاخ لہجہ میں بات کی، حضرت ابو بکر شبلیؒ یہ برداشت نہیں کر سکے۔ قالین پر شیر کی تصویر تھی۔ انہوں نے ایک نگاہ قالین پر ڈالی، شیر میں حرکت پیدا ہوئی۔ پیرومرشد نے شیر کو اٹھتے دیکھا اور تصرف سے اس عمل کو روک دیا۔ تیسری مرتبہ بادشاہ نے سخت لہجہ میں بات کی تو مرید سے گستاخی برداشت نہیں ہوئی اور انہوں نے ایک بار پھر قالین پر نگاہ کی — شیر اٹھنے لگا۔ اس بار بادشاہ نے بھی دیکھ لیا، وہ بدحواس ہوا، معافی مانگی اور گستاخی سے باز رہا۔

یہ واقعہ تانے بانے کو سمجھنے کے لئے اہم ہے۔ تانے بانے پر نقش و نگار محض تصویر ہیں۔ ان تصویروں میں خلا ہے۔ جب خلا میں زندگی کی لہر دوڑتی ہے تو تصویر ساخت کے مطابق غبارہ کی طرح پھولتی ہے۔ اس پھولنے کو ہم جان دار اشیا سمجھتے ہیں اور کاغذ پر چسپاں تصویر کو بے جان کہتے ہیں حالاں کہ دونوں تصویریں ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ایک تصویر میں حواس بیدار ہیں اور دوسری میں خوابیدہ حالت میں ہیں۔

کسی بھی تصویر کو غور سے دیکھیں — تھوڑی دیر بعد اس میں حرکت محسوس ہوگی اور تصویر کے تاثرات آپ کے اندر منتقل ہوں گے۔ اس کا کیا مطلب ہے —؟

ہر تصویر اور ہر تانا بانا ایک مقدار ہے، اپنے اندر مفہوم رکھتا ہے۔ تصویر کھینچنا دراصل مخصوص لمحہ کو ریکارڈ کرنا ہے۔ لمحہ تاثرات یا مفہوم کی صورت میں ریکارڈ ہوتا ہے اور یہ مفہوم غور کرنے والے پر منکشف ہوتا ہے۔

مضمون نگار مضمون لکھتا ہے اور لکھنے کے لئے الفاظ کی مدد لیتا ہے۔ دوسرا رخ یہ ہے کہ وہ ذہن میں تاثرات یا مفہوم کو مختلف شکلوں کے ذریعے کاغذ پر منتقل کرتا ہے۔ پڑھنے والا جب ان اشکال یا حروف پر غور

کرتا ہے تو جو مفہوم الفاظ کی شکل میں ریکارڈ ہوگیا ہے، وہ قاری پر ظاہر ہوجاتا ہے۔

خلا کا دوسرا رخ تانا ہے جسے اکہری یا ایک لہر کہتے ہیں۔ اکہری لہر پر بھی مخلوق کے خدوخال نقش ہیں۔ یہ ایسی مخلوق کا زون ہے جو آدمی کی طرح مکلّف ہے۔

تانا ہو یا بانا — دونوں لکیریں ہیں اور لکیریں محدودیت کی علامت ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان اور جنات دونوں کو مخاطب فرمایا ہے کہ وہ لکیروں یا محدودیت سے باہر نکلیں۔

''اے جن وانس! تم زمین اور آسمان کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل کر دکھاؤ، تم نہیں نکل سکتے مگر سلطان سے۔'' (الرحمٰن:۳۳)

آدمی تانے بانے اور جنات صرف تانے سے بنی مخلوق ہے۔ یعنی آدمی کے پاس جنات کے مقابلہ میں اضافی صلاحیت ہے۔ مثلاً جنات کے پاس روشنی کی ایک لہر اور آدمی کے پاس دو ہیں۔ اگر آدمی ان لہروں سے واقف نہیں تو یہ لکیریں اس کے لئے محدودیت ہیں۔ اس وجہ سے نوع آدم جب آدمیت کے دائرہ میں ہوتی ہے تو اس پر پابندی زیادہ ہے۔

نوع آدم اگر ایک لہر سے بھی واقف ہوجائے تو وہ جنات کی دنیا میں داخل ہوجائے گی۔ اور اگر آدمی ایک لہر سے واقف ہوگیا — دوسری لہر کا علم حاصل ہوجائے گا کیوں کہ تانا اور بانا ایک ہی ہیں، دونوں

سمندر کو دیکھ کر لگتا ہے کہ یہ پانی سے بھرا ہوا ہے جب کہ آپ سمندر کے جس حصہ میں داخل ہونا چاہیں، کنکر یا پتھر پھینکیں — پتھر، کنکر یا آپ اندر داخل ہوجائیں گے۔ کیا سمندر واقعی پانی سے بھرا ہوا ہے —؟

میں فرق سمتوں کا ہے۔

نوع آدم اور نوع جنات کے ساتھ جس مخلوق کا تذکرہ ہوتا ہے وہ فرشتے ہیں۔ فرشتوں کی تخلیق اور ان میں تانے بانے سے متعلق کتاب ''احسان وتصوف'' میں تحریر ہے کہ،

''خلا کا تیسرا رخ ایسی لہروں سے مرکب ہے جس میں تانا بانا نظر نہیں آتا۔''

غور طلب ہے کہ فرشتوں میں لہریں موجود ہیں مگر ان لہروں میں تانا بانا نظر نہیں آتا۔ یعنی تانا بانا موجود ہے لیکن نظر نہیں آتا کیوں کہ مغلوب ہے۔

ایسے بہت سے واقعات ہیں جن میں فرشتے آدمی یا جن کی صورت میں ظاہر ہوئے یعنی فرشتے تانے بانے یا صرف تانے کو مشیت الٰہی کے مطابق جب چاہیں غالب کرلیں۔ جیسے حضرت لوطؑ کے پاس فرشتے انسانی روپ میں آئے۔ حضرت مریمؑ کے پاس فرشتہ بشر کے روپ میں آیا۔

اگر آدمی تانا اور بانا دونوں کو مغلوب کرلے تو وہ فرشتوں کی دنیا سے واقف ہوجاتا ہے۔

سبھ اکوّ رنگ کپاہیں دا

کلام	ترجمہ
سبھ اکوّ رنگ کپاہیں دا	کپاس کا ایک ہی رنگ ہے۔ کیا تانا کیا بانا! کپڑے
تانی تانا پیٹا نلیاں	کا سیدھا رخ، نلکیاں، ناڑا (ازار بند) کیا، سوت کی
پیٹھ نڑاتے چھباں چھلیاں	انٹی کیا اور کیا سوت کی چھلیاں (لڑیاں)۔ اگرچہ
آپو اپنے نام جتاون وکھّو وکھّی جاہیں دا	سب کے علیحدہ علیحدہ نام ہیں اور ان کی الگ الگ
سبھ اکوّ رنگ کپاہیں دا	شناخت اور پہچان بھی ہے لیکن کپاس کا ایک ہی رنگ
چونسی پینسی کھدّر دھوتر	ہے۔ تانے میں چار یا پانچ تاروں کا اعلیٰ یا کم تر کھدر
ململ خاصہ اکا سوتر	ہو یا ململ ہو یا خاصہ، ان میں ایک ہی سوت استعمال
پونی وچوّں باہر آوے	ہوا ہے جو روئی کی پونی سے دھاگے کی صورت باہر
بھگوا بھیس گوسائیں دا	نکلتا ہے۔ لڑکیوں کے ہاتھوں میں جو چھلے اور
سبھ اکوّ رنگ کپاہیں دا	انگوٹھیاں ہوتی ہیں، ان کے بھی خوب صورت نام
کڑیاں ہتھیں چھاپاں چھلّے	ہیں۔ لیکن خواہ وہ بازوؤں کے کنگن اور چوڑیاں ہی
آپو اپنے نام سولّے	کیوں نہ ہوں، انہیں چاندی کہہ کر پکارنا چاہئے
سبّھا ہکّا چاندی آکھو	کیوں کہ کپاس کا ایک ہی رنگ ہے۔ اے بلھے! شیخ
کنگن چُوڑا بانہیں دا	کی ذات کیا پوچھتے ہو وہ تو اللہ کی رضا پر شکر گزار
سبھ اکوّ رنگ کپاہیں دا	ہے۔ اگر تو بھی باغ بہشت کی راحت چاہتا ہے
بلھا شوہ دی ذات کیہ پچھنایں	تو پھر آرائیں* (بمعنی مرشد) کا غلام بن کر رہ کہ
شاکر ہو رضائیں دا	کپاس کا ایک ہی رنگ ہے۔
جے تو لوڑیں باغ بہاراں	
چاکر رہو آرائیں دا	
سبھ اکوّ رنگ کپاہیں دا	

*بابا بلھے شاہؒ کے مرشد شاہ عنایت آرائیںؒ تھے۔

بلال حسن زئی

تین میں نہ تیرہ میں

پودے کی صحت اچھی ہو تو قلمیں کم کٹتی ہیں کیوں کہ باغ بان کو معلوم ہے کہ یہ پودا ہر شاخ، پتّے اور کلی کو توانائی پہنچانے کی سکت رکھتا ہے۔ پودا کم زور ہو تو باغ بان اس پر بوجھ نہیں ڈالتا۔

زندگی گزارنا فن ہے۔ اس فن کی درس گاہ اپنے اور دوسروں کے تجربات ہیں۔ تجربات سے مشاہدہ ہوتا ہے اور مشاہدہ زندگی گزارنے کی فہم دیتا ہے۔

زندگی کا ہر لمحہ ایک خیال ہے اور ہر خیال ایک لمحہ ہے۔ اس لمحہ میں لاشمار خیالات ہیں اور خیال میں بے شمار لمحات ہیں۔ بات سمجھنے کے لئے تجربہ کیجئے۔

آپ نے لفظ پتھر سنا ہے۔ پتھر لفظ سن کر ذہن میں کیا تصویر بنتی ہے ــــ؟ پہلا تصور سختی کا ہے۔ گہرائی میں غور کریں تو سختی پیچھے رہ جائے گی اور پتھر کی تخلیق اور خصوصیات سے متعلق نہ جانے کتنی باتیں ذہن میں واضح ہوتی ہیں۔ کیا یہ سب باتیں پتھر سے الگ ہیں؟ سب پتھر سے متعلق ہیں۔ غور کرنے پر بند پتھر جب ذہن میں کھلتا ہے تو اس کی سختی الوژن بن جاتی ہے۔ اب پتھر سے متعلق آپ وہ معلومات محفوظ رکھیں گے جن میں آپ کی دل چسپی ہے، باقی بھول کے خانہ میں چلی جائیں گی حالاں کہ پورا پتھر کارآمد ہے۔

یہ ایک خیال میں لاشمار خیالات کی مثال ہے۔

اب دوسرا رخ پڑھئے ــــ کسی فعل کی انجام دہی کے دوران جب تواتر سے خیالات آنا شروع ہوتے ہیں تو وہ سب ایک کام سے متعلق ہوتے ہیں۔ اس دوران توجہ دوسری چیزوں کی طرف بھی جاتی ہے، کچھ وقت کے لئے ہم اپنے کام سے ذہن ہٹاتے ہیں اور دوسری طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔ سامنے کوئی چیز آئے تو توجہ دوسرے کام سے بھی ہٹ جاتی ہے۔ بندہ کو خیال آتا ہے کہ میں نے ایک سے شروع کیا، ایک پورا ہوا نہیں کہ دو اور تین کی طرف بڑھ گیا۔ ہونا چاہئے تھا کہ وہ دو اور تین میں سے جو چیزیں پہلے کام کے موافق تھیں ان کو اہمیت دیتا۔

اب وہ تین میں رہا نہ تیرہ میں۔

❁

ذہن میں ان گنت خیالات ہوں لیکن ان تمام خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وقت نہ ہو تو ایسے میں آپ کیا حکمت عملی اختیار کرتے ہیں؟ اسی طرح اہداف زیادہ ہوں لیکن کام کرنے کے لئے توانائی

اہداف کے مطابق نہ ہو تو ردعمل کیا ہوتا ہے — ؟ کم وبیش ہر فرد اس مشکل سے گزرتا ہے۔ کام کے دوران آئیڈیاز کی شکل میں نئے مواقع سامنے آتے ہیں یا پھر دوسری شے زیادہ پرکشش محسوس ہوتی ہے جس کی وجہ سے جو کام کیا جارہا ہے، اس کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔

بعض خیالات اس قدر تخلیقی ہوتے ہیں کہ ان کو نظر انداز کرنے یا بھول جانے پر ندامت ہوتی ہے۔ کچھ لوگ ان خیالات کی فہرست بنانا شروع کرتے ہیں جس میں ہر روز اضافہ ہوتا رہتا ہے لیکن کام کی سکت وہ نہیں ہوتی جو تواتر سے آنے والے آئیڈیاز کی ہے۔ خیال ایک آئے یا دس، توجہ سے ایک وقت میں ایک کام ہوتا ہے پھر دیگر خیالات کا کیا کیا جائے؟ مسلسل کسی کیفیت سے گزرنے اور اس پر غور کرنے سے راستہ نکلتا ہے۔ جب خیالات تیزی سے ذہن پر وارد ہوتے ہیں تو یقیناً ان کی تکمیل یا مظاہرہ کا کوئی حل بھی ہے۔ جب تک ہم عمل نہ کریں، وہ مدار میں گردش کرتے ہیں اور کسی نہ کسی وقت توجہ ان کی جانب مبذول ہو جاتی ہے۔

❁

مطالعہ کے دوران ایک سطر نظر سے گزری جس میں لکھا تھا کہ زندگی کو گلاب کے پودے کی طرح گزارو۔ گلاب کے پودے کی افزائش ہوتی ہے تو اس میں متعدد کلیاں لگتی ہیں لیکن ہر کلی پھول نہیں بنتی۔ باغ بانی سے واقف شخص جانتا ہے کہ پودے کی خوب صورتی اور کارکردگی کو بڑھانے کے لئے وقتاً فوقتاً قلمیں کاٹنے اور تراش خراش کی ضرورت ہے۔

گلاب کے پودے اور درخت کی ساخت میں فرق ہے۔ دونوں کی وسعت اور بلندی ایک نہیں ہے، اس وجہ سے نباتات کی دنیا سے تعلق کے باوجود ان کی صلاحیت الگ الگ ہے۔ گلاب کا پھول بڑھتا اور پھیلتا ہے لیکن افزائش کا تناسب درخت سے منفرد ہے۔ درخت میں اتنی سکت ہوتی ہے کہ شاخیں چاہے جتنی پھیل جائیں، وہ سب کا بوجھ برداشت کرتا ہے اور خود بھی قائم رہتا ہے۔ دوسری طرف گلاب کی تراش خراش نہ ہو اور قلمیں نہ کاٹی جائیں تو پودا اپنی مدت مقررہ وقت سے پہلے پوری کر لیتا ہے اور مرجھا جاتا ہے۔ گلاب کے پودے کا خیال رکھا جائے تو اس کی اوسط عمر 35 سال بتائی جاتی ہے۔ اچھی افزائش، معیاری کھاد اور دیکھ بھال سے عمر کا دورانیہ بڑھ جاتا ہے۔ جو توانائی 35 سالوں کے لئے ہے، وہ پودے کی دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے ان حصوں کو ملتی ہے جن کے بڑھنے سے پودے کی افادیت اور خوب صورتی متاثر ہوتی ہے اور زندگی کا دورانیہ کم ہو جاتا ہے۔ مالی جن قلموں کو کاٹتا ہے، پودا ان کے بغیر بھی قائم رہتا اور پھول دیتا ہے۔

ایک وقت میں متعدد کلیوں کے باوجود ہر کلی پھول نہیں بنتی کیوں کہ پودے کی فی الوقت توانائی فراہم کرنے کی مخصوص سکت ہے جس کے متاثر ہونے سے خلیات میں ٹوٹ پھوٹ تیز ہو جاتی ہے۔

پودے کے اردگرد لاشمار ذرائع پھیلے ہوئے ہیں اور سب میں توانائی ہے لیکن پودا اپنی ضرورت کے مطابق ان چیزوں کو قبول کرتا ہے جس کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے باغ میں گلاب کا پودا ہر سال خوش بودار پھول کھلاتا رہے تو ضرورت کے مطابق ان قلموں کو کاٹتے رہئے جن کے نہ ہونے سے پودے کو فرق نہیں پڑتا۔ اسی طرح اگر آپ چاہتے ہیں کہ زندگی بامقصد گزرے تو باغ بان کی روش اپنالیں تاکہ آپ کی زندگی گلاب کے پھول کی طرح مہکے۔

❁

خیالات گلاب کے پودے کی مانند ہیں۔ انہیں مستقل تراش خراش کی ضرورت ہوتی ہے۔ تراش خراش سے مراد معنی پہنانا نہیں ہے، ہر خیال اپنی ہیئت میں بہترین ساخت کا حامل ہے، معنی پہنانے سے صورت بدل جاتی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ توانائی ضرورت سے زیادہ خرچ تو نہیں ہو رہی۔

ہر کلی میں پھول بننے کی مقداریں ہیں مگر وہ جس پودے سے منسلک ہے، اس کی سکت دیکھنا ضروری ہے۔ پودے کی صحت اچھی ہو تو قلمیں کم کٹتی ہیں کیوں کہ باغ بان کو معلوم ہے کہ یہ پودا ہر شاخ، پتّے اور کلی کو توانائی پہنچانے کی سکت رکھتا ہے۔ پودا کم زور ہو تو باغ بان اس پر بوجھ نہیں ڈالتا۔

کلی کی طرح ہر خیال میں مظہر بننے کی مقداریں ہیں مگر جس ذہن پر وہ وارد ہو رہے ہیں، اس کی سکت دیکھنا ضروری ہے۔ مثلاً ایک فرد کو معلوم ہے کہ وہ دن میں تین کام بخوبی انجام دے سکتا ہے، اگر وہ تین کی جگہ چھ کام کرنا شروع کر دے تو ذہن پر بوجھ پڑے گا، توجہ متاثر ہوگی یہاں تک کہ جو کام اچھی طرح ہو رہے تھے، ان پر بھی منفی اثر پڑے گا۔ اعصابی نظام کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو، توانائی صرف کرنے اور قوت ارادی کی مقدار روزانہ کی مناسبت سے ہوتی ہے۔ ایک دن میں دو دن کا کام کرنے سے اگلے دن بندہ کام کے قابل نہیں رہتا، آرام کرتا ہے۔ پھر ایک دن میں دو دن کا کام کرنے کا کیا فائدہ ہوا؟

❁

دماغ کے متوجہ ہونے کا تعلق حرکت سے ہے اور حرکت سے روشنی زیر بحث آتی ہے۔ سننا، دیکھنا، سمجھنا، بولنا وغیرہ روشنی کے سبب ہے۔ روشنی دیکھتی ہے اور دکھاتی ہے۔ سوچ اس شے پر مرکوز ہو جس سے ذہن بکھرے نہیں تو روشنی ذخیرہ ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ذہن ایک وقت میں ایک سے زائد چیزوں کی طرف متوجہ ہو تو وہ روشنی خرچ ہوتی ہے جو ذخیرہ کی گئی۔

حرکت اور روشنی سے متعلق دل چسپ قانون پڑھئے،

''ہر حرکت کرنے والی چیز میں کوئی چیز ذخیرہ ہوتی ہے اور یہ ذخیرہ جب اس کے اندر جلتا ہے تو یہ چیز حرکت کرتی ہے۔ موٹر کار یا ہوائی جہاز میں پٹرول جلتا ہے، لالٹین میں کیروسین آئل جلتا ہے، تیز روشن

بلب میں بجلی جلتی ہے اور آدمی کے اندر انرجی کیلوریز بن کر خرچ ہوتی ہے۔ جتنی زیادہ کیلوریز ذخیرہ ہوتی ہیں، آدمی اسی مناسبت سے زیادہ طاقت ور، زیادہ فعال اور زیادہ خوب صورت نظر آتا ہے۔ کیلوریز میں جس مناسبت سے کمی واقع ہوتی ہے اسی مناسبت سے انسانی صحت متاثر ہوتی رہتی ہے۔ جس طرح ایک گاڑی پٹرول کی ترسیل نہ ہونے سے جھٹکے کھانے لگتی ہے آدمی بھی اسی طرح گرتا اور اٹھتا رہتا ہے۔ یہ گرنا اور اٹھنا اس کی اعلیٰ یا اسفل صحت کی نشان دہی کرتا ہے۔''

اس حوالہ سے مزید تحریر ہے کہ،

''دنیاوی آسائش و آرام کی حیثیت اپنی جگہ اہم سہی لیکن قانون قدرت یہ ہے کہ جب انسان کسی ایک چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ چیز انسانی دماغ کی اسکرین پر نمودار ہو کر ڈسپلے ہوتی ہے اور اس ڈسپلے میں وہ روشنیاں خرچ ہوتی ہیں جو ذخیرہ ہیں اور جس ذخیرہ کو انسانی دماغ کے دو کھرب خلیات جزیٹ کر رہے ہیں۔'' (کتاب: آواز دوست)

کتاب ''آواز دوست'' میں اس قانون کو سمجھانے کے لئے مثال دی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ گھر میں چار کمرے ہیں، ان میں سے ایک کمرے میں صوفہ سیٹ، ریڈیو، ٹی وی، میز اور تزئین و آرائش کا دیگر سامان ہے۔ دوسرے کمرے میں صرف پلنگ ہے۔ پہلے کمرے کی دس چیزوں پر جب نظر پڑتی ہے تو ہمارے اندر سے ذخیرہ شدہ روشنی ان دس چیزوں کو دماغی اسکرین پر ظاہر کرتی ہے ــــ جو روشنی ایک چیز کے لئے خرچ ہونی چاہئے تھی، اس کا خرچ دس گنا بڑھ جاتا ہے۔ کمرے میں رکھی گئی تمام چیزیں رہن سہن کے اعتبار سے ضروری سمجھی جاتی ہیں۔ اگر یہ سب ایک کمرے میں ہوں تو اس کمرے کے مکین کا سر زیادہ تر بھاری رہتا ہے۔ وہ خود پر بوجھ محسوس کرتا ہے۔ یہ بوجھ ماحول میں موجود اضافی چیزوں کا ہے جن کی طرف وہ ارادی و غیر ارادی طور پر متوجہ رہتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کو دیکھنے میں روشنی خرچ ہو رہی ہے۔

نئے خیالات یا کوئی آئیڈیا آنا قدرتی امر ہے بالکل اسی طرح جیسے گلاب کے پودے میں وقتاً فوقتاً کلیوں کا اضافہ ہوتا ہے۔ انہیں زندگی میں شامل کرنے سے پہلے ہمیں ان کو چھاننا چاہئے اس سے پہلے کہ ہماری سکت جواب دے جائے یا پودا سوکھ جائے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ نئے آئیڈیاز زندگی میں شامل ہوتے رہیں گے، ان میں اتنی استعداد ہوگی کہ وہ آنے والے وقت میں کارآمد ثابت ہوں لیکن ذہن کی نشوونما اور بامقصد زندگی کے لئے لازم ہے کہ جو چیزیں ذہن میں آرہی ہیں، انہیں چھلنی سے ضرور گزارا جائے کہ کون سی چیز دیرپا ہے اور مجھے زیادہ فائدہ پہنچائے گی۔

کس خیال کو اپنانا ہے اور کسے چھوڑ دینا ہے، اس حوالہ سے چھوٹی بڑی باریکیوں کا جائزہ لئے بغیر فیصلہ آسان نہیں۔ ایسے میں تجربہ اور معلومات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ ماہرین سماجیات و نفسیات کہتے ہیں کہ

ان خیالات کا انتخاب کریں جو،

۱۔ کام سے متعلق لیکن منفرد ہوں۔

۲۔ جو ناکام ہو کر بھی آپ کو کامیاب کر دیں یعنی آپ ان سے بہت کچھ سیکھ سکیں۔ کامیابی صرف نتائج حاصل کر لینا نہیں ہے، تجربہ سے آئندہ زندگی کے لئے بہت کچھ سیکھنا بھی کامیابی ہے۔

۳۔ ضروری نہیں کہ ہر اچھا آئیڈیا ہمارے لئے بھی اچھا ہو۔

۴۔ جس سے کام میں لگن پیدا ہو، صرف نتیجہ حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔

نفس مضمون کو سمجھنے کے لئے چند مثالیں ہیں۔

۱۔ کاروباری شخص کے سامنے چار منافع بخش مصنوعات ہیں جن میں کاروبار کو پانچ گنا بڑھانے کی صلاحیت ہے۔ تینوں پر ایک ساتھ کام نہیں ہوسکتا، وہ کس کا انتخاب کرے—؟ ایسے میں وہ دیکھتا ہے کہ اگر وہ پوری توانائی صرف کرے تو ان میں کون سی چیز ایسی ہے جو کاروبار کو دوسو گنا بڑھا سکتی ہے۔

۲۔ جِم میں پٹھوں کو مضبوط کرنے اور جسامت کو خوب صورت بنانے کے لئے ہر قسم کی مشین ہوتی ہے۔ کیا ساری مشینوں کا ایک ساتھ استعمال ہوسکتا ہے؟ جم کا نگراں کسی فرد کی صحت کو دیکھتے ہوئے راہ نمائی کرے گا کہ اس کے لئے تین یا چار مشینیں کون سی ہیں جو جسم کی مضبوطی کے لئے دیگر مشینوں سے زیادہ بہتر بنیاد فراہم کریں گی۔

۳۔ شریک حیات کے انتخاب کے لئے اردگرد درجنوں لوگ ہیں۔ انتخاب کے وقت اس نکتہ کو مدنظر رکھا جاتا ہے کہ ان میں سے وہ فرد کون ہے جو میرے ساتھ چل سکتا ہے اور میں اس کے ساتھ چل سکتا ہوں۔ فرض کیجئے کہ وہ سب کے سب کسی نہ کسی لحاظ سے اچھے ہیں لیکن شادی ایک سے ہوتی ہے۔ انتخاب کرنے والا سوچے گا کہ کس کا ساتھ مجھے زیادہ خوشی دے سکتا ہے اور میں کس کو زیادہ خوش رکھ سکتا ہوں۔

❁

کئی پودے اور درخت ایسے ہیں جن کو بلندی میں بڑھنے کے لئے مسلسل تراش خراش کی جاتی ہے تاکہ ان کا پھیلاؤ کم ہو۔ بات سمجھانے کے لئے میں نے گلاب کا انتخاب کیا۔ گلاب کے وہ پودے جن کی قلمیں نہ کٹیں اور تراش خراش نہ ہو، وہ نئی اور پرانی شاخوں پر مشتمل ایسی الجھی ہوئی تصویر پیش کرتے ہیں جس میں ہر شاخ ہوا اور روشنی حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے جنگ کر رہی ہو اور اپنی بقا کے لئے سخت کشمکش میں ہو۔

یہی بات ہم اپنی زندگی کے لئے کہہ سکتے ہیں۔ وہ زندگی جس میں محاسبہ نہ ہو، گزرے ہوئے دن کا آج اور آنے والے دن کا کل سے موازنہ نہ ہو، وہ تخلیقی خیالات اور اہداف کی ایسی پیچیدہ گرہ بن جاتی ہے جس میں وقت اور ذرائع دونوں کا ضیاع ہوتا ہے۔ اگر ہم اپنی زندگی میں سے غیر ضروری شاخوں کو قلم نہیں کریں گے تو جن کلیوں اور قلموں میں زیادہ سکت و استطاعت ہوگی ان کی نشوونما نہیں ہوگی۔

❁

عابد محمود

بلاعنوان

میں نے سوچا کہ میرے ہاتھ پیر بند ہیں اس لئے یہ لوگ اللہ والے ہو گئے ہیں۔ خیال آیا ہی تھا کہ مجھے زنجیریں کھلتی محسوس ہوئیں، میں سمجھ گیا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔

شعبان کی آخری تاریخ تھی اور مجھ پر اضطرابی کیفیت طاری تھی۔ چاند نظر آنے کے قوی امکانات تھے۔ آج میری قید کا دن تھا۔ اس کے بعد میری رسائی ان لوگوں تک ممکن نہیں تھی جو روزہ کے حواس سے مستفید ہونے کے لئے مادی حواس کو ترک کرنا چاہتے تھے۔ کیا بتاؤں کہ ایسے لوگوں کے عمل اور ارادہ کی قوت ان دیکھی زنجیر بن کر مجھے کس قدر بے بس ولاچار کر دیتی ہے کیوں کہ یہ خود کو میری انسپائریشن سے دور کر لیتے ہیں۔

میں جان گیا ہوں کہ یہ مجھے جان گئے ہیں۔ کسی زمانہ میں میری اور ان کی خوب شناسائی رہی ہے مگر اب تو سوچو ہے کھا کے بلی حج کو جانا چاہتی ہے۔ اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کی طرف ان کا ایک قدم مجھے کس قدر کوفت اور اذیت میں مبتلا کرتا ہے تو یہ کبھی میری طرف پلٹ کر نہ آئیں لیکن یہ بات میں ان پر ظاہر نہیں ہونے دیتا اور اچھے اچھوں کو ان کی اچھائی میں مات دے دیتا ہوں۔ جب یہ اچھے بن کر خود کو دوسروں سے برتر سمجھنا شروع کرتے ہیں تو میری راہ آسان ہو جاتی ہے۔

میرا نام ابلیس ہے۔ سب مجھے برا کہتے ہیں، اس کے باوجود اکثریت میری پیروی کرتی ہے۔ بتایئے کہ ایسوں کے سامنے میری کیا اوقات!

میں تعارف کا محتاج نہیں، لوگوں کا بھلا چاہتا ہوں اور ان کے مستقبل کو محفوظ بنانے کے لئے انہیں دولت خرچ کرنے نہیں دیتا۔ خوب سے خوب تر کی تلاش کے لئے ناشکری کی ترغیب دیتا ہوں۔ اگر انہوں نے صبر پر تکیہ کر لیا تو میری بے صبری کئی سو گنا بڑھ جائے گی۔

میں وہی ہوں جو اپنے حق کے لئے آواز اٹھانا سکھاتا ہے اور غیرت کو قائم رکھتا ہے۔ یہ کہاں کا دستور ہے کہ کوئی تلخ بات کر کے چلا جائے اور آدمی خاموش رہے؟ عزت سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ اب آدم اس بات پر لڑنا جھگڑنا اور قتل وغارت شروع کر دے تو اس میں میرا کیا قصور!

میں وہی ہوں جو اولاد کو ماں باپ کی کم زوری بناتا ہے۔ اب بندہ بچوں سے محبت نہ کرے تو کس سے کرے! یہی نہیں — میاں بیوی کے بندھن کو توڑنے کی کوشش کرتا ہوں، جن لوگوں میں قربانی اور ایثار کا

جذبہ نہیں، ان کا ایک چھت تلے رہنے کا کیا فائدہ!

لڑنے جھگڑنے کی آوازیں جب مجھ تک پہنچتی ہیں تو سمجھو کہ ساعت میں رس گھل جاتا ہے کیوں کہ یہ آوازیں میرے مشن کو تقویت دیتی ہیں۔ میری پسندیدہ آواز میاں بیوی اور ساس بہو کی لڑائی کی ہے۔ ایک سے بڑھ کر ایک جملہ، ایک سے بڑھ کر ایک حملہ — بس گھر کے ان دوستونوں کو ہلا دو، باقی عمارت خود گر جائے گی۔

ارے میں دشمن نہیں، دونوں کو ان کی ملکیت اور حقوق دلوانا چاہتا ہوں۔ جب گھر جہنم بن جاتا ہے تو میں اس آگ میں رقص کرتا ہوں۔ ساس بہو کی لڑائی میں نندوں کا کردار مثالی ہے۔ کیوں کہ یہ نند کہیں پر بھابھی ہے اور بھابھی کہیں پر نند ہے۔

یہ مت سمجھئے کہ میرا کام آسان ہے۔ خواتین کی پسند بہت مشکل ہے۔ کپڑا خریدنے بھی جائیں تو دس دکھانے کے بعد ایک پسند کرتی ہیں اور یہ بھی ضروری نہیں۔ ان کو مسلسل انسپائریشن دینا پڑتی ہے، ساری توانائی لگاؤ تب جا کر چنگاری بنتی ہے اور ایک بار چنگاری بن جائے پھر اسے ہوا دینا مشکل نہیں۔

اب تو وہ زمانہ ہے کہ مرد بھی خواتین سے پیچھے نہیں۔ مردوں نے خواتین کے اور خواتین نے مردوں کے شوق اپنا لئے ہیں۔ عورتوں نے روزگار شروع کر دیا ہے اور مردوں نے گھر پر بیٹھنا۔ آپ تو جانتے ہیں کہ خالی دماغ میرا گھر ہے اور جہاں میاں بیوی دونوں نوکری کرتے ہیں، میں ان میں سے ایک میں احساس کم تری پیدا کر دیتا ہوں۔

میری مصروفیت پہلے سے کم ہوگئی ہے کیوں کہ خواہشات کا لامتناہی سلسلہ اب آدم کی سرشت میں شامل ہوگیا ہے۔ لیکن رمضان کے مہینہ کا کیا کروں جب اچھے اچھوں کا ہاتھ سے نکلنے کا خدشہ ہوتا ہے۔ اگر ایک بار ان کا نماز میں دل لگ گیا یا روزہ رکھ کر انہیں کیف حاصل ہوگیا تو سمجھ لو عمر بھر کی محنت بے کار گئی۔ اس پر مصیبت یہ ہے کہ رمضان میں مجھے باندھ دیا جاتا ہے۔ اس لئے میں رمضان سے پہلے انہیں بھرپور شکنجہ میں لینے کی کوشش کرتا ہوں اور ان کی بھوک بڑھا دیتا ہوں۔ کھانے کی بھوک، دولت کی بھوک، غصہ کی بھوک، نیند کی بھوک، لالچ کی بھوک وغیرہ۔

اب میری کارستانی اور زاہد میاں کی کہانی سنئے۔

زاہد میاں نے رمضان کا چاند دیکھ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو میں نے کہا، یا اللہ خیر! اس کے ہاتھوں کی حرکت نے اگر دل پر اثر کر دیا تو —؟ روزہ کی نیت کی اور مجھے خود پر زنجیریں ڈلتی محسوس ہوئیں۔ میں نے زاہد کو غور سے دیکھا مگر سال کا پہلا روزہ تھا اس لئے اس کی خوشی دیدنی تھی۔

رات کو گرم جوشی سے عشا کے بعد تراویح پڑھنے گیا اور سحری میں اٹھنے کے لئے جلدی سو گیا۔ سحری کے سائرن کی آواز کانوں میں پڑی۔ کسمساتے ہوئے سوچا کہ ابھی بہت وقت ہے۔ اس کی سستی سے میری

زنجیریں ڈھیلی ہونے لگیں۔ میں نے محبت پاش نظروں سے زاہد کی طرف دیکھا، وہ مجھے آزاد کرنا چاہتا تھا۔ سوچا یہ میرے کام کا ہے، اسے اپنا خاص شاگرد بناؤں گا۔ اس کے خراٹوں کی آواز میرے لئے نیرو کی بانسری جیسی تھی۔ نیرو کی بانسری کا تو آپ نے سنا ہوگا کہ جب روم جل رہا تھا تو وہ بانسری بجا رہا تھا۔ سوچو! کیسی سریلی آواز ہوگی۔ زنجیر ڈھیلی ہوتے ہی میں نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور وہ گہری میٹھی نیند سو گیا۔ سحری کا وقت ختم ہونے سے پہلے سائرن بجا، فجر کی اذان ہوئی لیکن زاہد میاں — زہد سے بے خبر تھے۔

صبح آنکھ کھلی، ہڑبڑا کر اٹھے اور سخت شرمندہ ہوگئے۔ ان کی ندامت سے میری زنجیریں سخت ہونے لگیں۔ گناہ کے بعد ندامت میری خوشیوں پر ماتم ہے۔ قوی امکان ہوتا ہے کہ یہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ وہ فوراً بستر چھوڑ کر غسل خانہ کی طرف بڑھے۔ انہوں نے بغیر سحری کے روزہ رکھ لیا اور میں تلملا تا رہ گیا۔

اب زاہد میاں کی بیگم کا قصہ سنیے۔ ان صاحبہ نے رمضان کے لئے فہرست بنائی اور فہرست میں سادگی کا یہ عالم تھا کہ ہر وہ چیز شامل کی جس کا تیل ان کے دل و دماغ پر جم جائے۔ زاہد صاحب سحری و افطاری میں خاص اہتمام پسند فرماتے تھے جیسے سارا سال یہ لوگ بھوکے رہتے ہوں اور کھانے کا مہینہ آ گیا ہو۔

میں جانتا ہوں کہ حواس مجلّا ہونے کے لئے کم کھانا، کم بولنا اور کم سونا ضروری ہے۔ پہلے دن پکوڑے، سموسے، جلیبی، دہی بڑے، کباب، رول افطاری کے لئے جب کہ تراویح کے بعد کھانا رکھا گیا تھا۔ سوچئے کہ افطاری کا یہ عالم ہے تو کھانے میں کیا ہوگا۔ سارا دن زاہد صاحب افطاری کے نشہ میں رہے۔ اماں ابا کی تیاری دیکھ کر بچے بھی خوش تھے کہ رمضان کا مہینہ آ گیا ہے۔

کھانے کی میز پر نظر پڑتے ہی میرے اندر طمانیت دوڑ گئی۔ اب اس گھر میں مزید رکنے کی گنجائش نہیں تھی۔ اتنا کھانے کے بعد شب بیداری تو دور کی بات — روزہ کے مقصد کی طرف بھی ذہن نہیں جاتا۔ زاہد میاں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا، دن بھر کی پیاس کا سوچ کر تین گلاس پانی پیا اور پھر لسی کے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ میں نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔ افطاری سے انصاف کے بعد ان پر غنودگی طاری تھی۔ باجماعت نماز کا وقت نکل گیا تھا، بمشکل گھر میں مغرب پڑھی اور تراویح کے لئے لڑکھڑاتے ہوئے مسجد پہنچے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے میں زیادہ دیر قید میں نہیں رہتا، صرف حوالات کی ہوا کر کھا کر باہر آ جاتا ہوں۔

لیکن — حسن صاحب کا کیا کروں!

حسن کا حال زاہد میاں سے مختلف نہیں تھا لیکن چند سال ہوئے کہ انہیں کوئی ''دشمنِ شیطان'' مل گیا اور یہ ان کی سنگت میں بدل گئے۔ انہوں نے حسن کو بتایا کہ روزہ کا مطلب کھانا پینا نہیں، کم کھانا پینا ہے تا کہ جسم کا بھاری پن کم ہونے سے باطن کی لطافت محسوس ہو۔

ان کے رمضان کا پروگرام دیکھ کر مجھے دم گھٹتا محسوس ہوا۔بس سنتے جایئے — بچوں کو سمجھایا کہ رمضان المبارک کا مقصد کیا ہے، ہم روزہ کیوں رکھتے ہیں، روزہ کا وقت کس طرح گزارنا چاہئے۔نماز کی پابندی کی اہمیت بتائی گئی اور رمضان سے پہلے گھر میں سب نے نماز میں پڑھی جانے والی چھوٹی سورتوں کا ترجمہ یادکرلیا۔قرآن کریم ترجمہ کے ساتھ پڑھنے کا وقت مقرر کیا گیا۔حسن صاحب نے بیگم کو ہدایت کی کہ افطاری میں خوراک سادہ ہو، البتہ ہر ایک یا دو دن بعد بچوں کی پسند کی کوئی چیز ضرور پکائی جائے۔

حسن صاحب اوران کی اہلیہ سحری سے ایک گھنٹہ پہلے اٹھے اور تہجد پڑھ کر ذکر میں مشغول ہوگئے۔مسجد سے سحری میں جگانے کے لئے سائرن بجا تو ان کی بیگم نے چپاتی اور رات کا بچا ہوا سالن دسترخوان پر رکھا۔میں نے حسن صاحب کو انسپائر کیا کہ جب سارا دن کچھ نہیں کھانا ہے تو بیگم کو چاہئے کہ کم از کم سحری میں کچھ تو اہتمام ہو۔لیکن وہ مجھے خود سے دور رکھنے کا سامان کر چکے تھے، میری آواز سن کر مسکرادیئے۔میں اپنا وار خالی جاتے دیکھ کر تلملا گیا۔فوراً ان کی بیگم کے ذہن میں خیال ڈالا کہ رمضان میں تمہاری ذمہ داری بڑھ گئی ہے، آدھی رات کو اٹھ کر روٹی بنانا آسان نہیں، کہہ دو کہ کل سے رات کی بچی ہوئی روٹی سحری میں کھائیں یا پھر باہر سے لے آئیں۔لیکن وہ نیک بخت اچھائی میں شوہر سے دس ہاتھ آگے تھی۔ان سنی کر کے محبت پاش نظروں سے شوہر کو دیکھا اور سحری کھانے میں مشغول ہوگئی۔فجر کی نماز کے بعد مراقبہ کیا۔بچے چھوٹے تھے، وہ اٹھے تو ان کے ساتھ قرآن کریم پڑھا اور پھر ورزش کے بعد وہ آفس چلے گئے اور میں ان کو بہکانے کی ترکیبیں سوچتا رہا۔

آج دوسرا روزہ تھا۔زاہد صاحب پہلے دن کے برعکس سحری کے لئے وقت پر اٹھے۔سحری میں کھچلا پھینی، پراٹھے، انڈے اور دہی تھی۔لمبی ڈکار لینے کے بعد نماز پڑھنے مسجد گئے، واپس آکر کچھ دیر کے لئے سو گئے۔جاگنے کے بعد وہ خوش تھے کہ نماز پڑھ لی ہے۔البتہ یہ معلوم نہیں تھا کہ نماز میں کیا پڑھا ہے!

آفس پہنچے تو لوگ درخواستیں لئے منتظر تھے۔سب سے پہلے بڑھیا اندر آئی۔بیٹا میرے گھر میں ایک بلب اور ایک پنکھا چلتا ہے اور بل چار ہزار نو سو اٹھارہ روپے آیا ہے، کچھ آسانی کردو۔

اماں میٹر ریڈر جو ریڈنگ دے گا اسی پر بل بنتا ہے۔زاہد نے ریڈنگ چیک کرتے ہوئے کہا۔

بیٹا اتنا بل کہاں سے دوں، کل آخری تاریخ ہے۔

زاہد نے بل کی دو اقساط کردیں اور کہا، اماں یہ کل تک بینک میں جمع کروادینا ورنہ تاخیر پر جرمانہ بھی دینا ہوگا۔بڑھیا نے بل کی رقم آدھی دیکھ کر سکھ کا سانس لیا اور زاہد کو دعائیں دیتی ہوئی رخصت ہوگئی۔لوگ باری باری آتے رہے اور وہ دل جمعی سے سب کے معاملات حل کرنے میں جتے رہے۔ایک تو روزہ اوپر

سے خدمت خلق — مجھ سے برداشت نہیں ہوا لیکن ان کو ورغلانے کے لئے میرے ہاتھ بندھ گئے تھے۔

مجھے قطار میں کھڑا ایک پرانا شناسا نظر آیا۔ لگتا تھا کہ روزہ رکھ کر اس نے سب پر احسان کیا ہے۔ مزاج بگڑے ہوئے، ناک پر غصہ اور قطار میں خود کو نمایاں کرنے کی خواہش! میں نے کہا، ایک تو تم روزہ سے ہو، اوپر سے قطار میں کھڑے ہو، کام پر بھی پہنچنا ہے، ابھی سے تھکن ہوگئی اور پیاس لگی تو بقیہ دن کیسے گزرے گا؟ وہ اضطراب میں پہلو بدلنے لگا۔ ایک گھنٹا قطار میں کھڑا رہنے کے بعد جب زاہد میاں کے کاؤنٹر پر پہنچا تو غصہ پر قابو نہ پاتے ہوئے بجلی کا بل میز پر پھینکا اور بدتمیزی سے بولا، بھائی دو کاؤنٹر کیوں نہیں کھول لیتے، احساس نہیں کہ لوگوں کا روزہ ہے۔

زاہد صاحب کے اندر غصہ کی لہر اٹھی مگر روزہ کی وجہ سے نظر انداز کر دیا۔ جواب نہ پا کر وہ تلملا گیا۔ میں دو گھنٹے سے قطار میں اس لئے نہیں کھڑا ہوں کہ آپ ڈھٹائی کا مظاہرہ کریں۔ اس بار زاہد نے ناگواری سے اسے دیکھا اور میرا کام ہوگیا۔ غصہ سے بل واپس کرتے ہوئے کہا، میں اس معاملہ میں کچھ نہیں کرسکتا۔ اوپر درخواست دینی پڑے گی تب بل کا مسئلہ حل ہوگا۔ دھمکی آمیز لہجہ میں کہا، میں ابھی تمہارے افسر کو فون کرتا ہوں۔ زاہد صاحب بولے، افسر کو فون کرنا تھا تو پہلے کر لیتے، دو گھنٹے قطار میں کیوں کھڑے رہے۔ نیکسٹ! اس نے توہین محسوس کی، تکرار نے طول پکڑا اور میں اس شخص کے ذریعے زاہد کو اکسانے پر کامیابی میں اب زاہد میاں کے لئے آزاد ہوگیا تھا۔

زاہد کے لئے میری زنجیریں کھل بند ہو رہی تھیں لیکن حسن اور اس کی بیگم کے سامنے میں بے بس تھا۔ انہوں نے دن کا آغاز اللہ کے نام سے کیا، بھوکے پیاسے رہنے پر وہ سرشار تھے، ہر کام کرنے پر سوچتے کہ ہم اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں سے سارے کام کر رہے ہیں۔ تحمل ان کے مزاج میں ایسے شامل تھا جیسے کسی نے پانی میں مٹھاس کی طرح گھول دیا ہو۔ میں دوسروں کے غصہ کے ذریعے بھی ان کو بہکانے میں ناکام تھا۔ انہوں نے افطاری میں ندیدے پن کا مظاہرہ نہیں کیا۔ ایک کھجور اور پانی کے گلاس سے روزہ کھولنے کے بعد نماز پڑھی (قائم کی)، کھانا کھایا اور پھر بچوں کے ساتھ وقت گزارا۔ یہ پورا گھرانا اللہ رسولؐ سے محبت کرنے والا یعنی میرا دشمن تھا۔

روزہ زاہد اور حسن دونوں کے گھرانوں نے رکھا لیکن ایک نے اسے کھانے پینے کا مہینہ سمجھا اور دوسرے کا مقصد اللہ کا قرب تھا۔ ایک کے حواس مجلّا ہو رہے تھے اور دوسرا ظاہری رسم و رواج میں الجھ کر کثافت کے دبیز پردوں میں الجھ گیا تھا۔

طاق راتوں کا عشرہ شروع ہوا تو میرا داخلہ حسن کے گھر میں قطعاً بند ہوگیا جب کہ زاہد کے گھر جانے کی مجھے ضرورت نہیں تھی۔

جب حسن کے گھر سے درود شریف پڑھنے کی آوازیں آتیں تو ہر آواز پر مجھے زوردار ضرب لگتی۔ اماں ابا بچوں کے سونے سے پہلے ان کو اپنے ساتھ بٹھا کر درود شریف کا ورد کرتے، کمرے میں لوبان جلتا، بخور کی مسحور کردینے والی خوش بو ہوتی، سب نہا کر سفید لباس میں درود شریف پڑھنے بیٹھتے اور آدھے گھنٹے تک یہ محفل جاری رہتی۔ بچے سونے چلے جاتے اور حسن صاحب اور ان کی بیگم تجلی کے دیدار کے لئے شب بیداری کے پروگرام میں مشغول ہوجاتے۔

دونوں گھرانوں میں فرق محبت کا تھا۔ ایک گھر میں اللہ سے محبت کی چاشنی پھیل گئی تھی جب کہ دوسرا گھر اس تعلق سے عاری تھا اس لئے رمضان المبارک کی نعمت کو محسوس نہ کرسکا۔

ستائیسویں شب آئی — میں نے سوچا کہ میرے ہاتھ پیر بند ہیں اس لئے یہ لوگ اللہ والے ہوگئے ہیں۔ خیال آیا ہی تھا کہ مجھے زنجیریں کھلتی محسوس ہوئیں، سمجھ گیا کہ ماجرا کیا ہے۔ ایک لمحہ کو دل لرزا لیکن چوں کہ میں ازل میں نافرمانی کرچکا تھا اس لئے دل کی آواز نظرانداز کرکے آگے بڑھا۔

حسن اور اس کی بیگم یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم کی تسبیح پڑھ رہے تھے۔ میں نے ادھر ادھر کے خیالات، بچوں کے ذریعے یا جس طرح سے ہوسکتا تھا انہیں اٹھانا چاہا، سنہرے خواب دکھائے کہ تم پاک باز ہوگئے ہو، جنت تمہاری منتظر ہے، آج تم نے اتنی عبادت کرلی ہے کہ مزید کی گنجائش نہیں، سوجاؤ گے تو تجلی کا دیدار ہوجائے گا مگر ان خیالات کے آنے پر دونوں میاں بیوی نے لاحول پڑھی اور میں کئی فٹ دور جا گرا۔

میری ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ ذکر کرتے ہوئے ان کا ذہن ادھر ادھر نہیں، ذکر کے مفہوم پر مرکوز تھا۔ میرے اصرار پر وہ پہلے سے زیادہ محبت سے یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم اس طرح ردھم میں پڑھتے کہ انہیں دل پر ضرب محسوس ہوتی۔ مرکزیت قائم ہوئی تو یہ ایسے خالص ہوگئے کہ اپنا ہوش نہ رہا — روشنی کا جھما کا ہوا جس کی چکاچوند نے مجھے اندھا کردیا اور انہیں بصیرت سے نواز دیا۔

مجھے خالق کائنات کی بات یاد آگئی،

”بے شک جو میرے حقیقی بندے ہیں ان پر تیرا بس نہیں چلے گا۔“ (الحجر:۴۲)

حسن کے گھرانے نے اللہ کو یاد کرنے کے لئے الگ سے محنت نہیں کی بلکہ وہ جو کام کررہے تھے اس میں اللہ کے ذکر کو شامل کردیا۔ ذکر کی چاشنی محسوس ہوئی تو انہوں نے غیر ضروری مصروفیات ترک کرکے وہ وقت اللہ کے لئے مخصوص کردیا — اب عید ان کی منتظر تھی۔

دونوں میاں بیوی نے عہد کیا کہ وہ اس معمول کو سال کے دیگر مہینوں میں بھی قائم رکھیں گے۔

اور میں خود کو تسلی دیتے ہوئے اس گھر میں پھر آنے کا سوچ کر کسی اور شکار کی تلاش میں نکل گیا۔

عثمان طاہر

فلسفہ ـــ عمر خیام

موجودات میں اشرف وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے قریب ہے، اور مادیات میں اشرف وہ ہے جو اصل سے زیادہ دور ہے۔

ابوعلی سینا کے شاگردوں میں سے ایک ابونصر محمد بن عبدالرحیم نسوی فارس کے نواح میں قاضی کے منصب پر فائز تھے۔ انہوں نے معروف فلسفی، ریاضی دان اور شاعر عمر خیام کو خط لکھا جس میں دو سوال پوچھے۔

۱۔ اللہ نے یہ دنیا خصوصاً انسان کو کیوں بنایا؟

۲۔ انسانوں کو عبادات بجالانے کا حکم کیوں دیا گیا؟

خط کی ابتدا میں ابونصر محمد بن عبد الرحیم نسوی نے عمر خیام کو مخاطب کر کے عربی کے چند اشعار لکھے جن میں سے چند کا ترجمہ یہ ہے،

''اے بادصبا! اگر میرے عہد کی رعایت تو کر سکتی ہے تو علامہ خیام کو میرا اسلام پہنچا۔ جھک کر ان کے قدموں کی خاک چوم، اس ادب سے جیسے حکمت کا طالب جھکتا ہے کہ وہ حکمتوں سے واقف ایسا عارف ہے جس کے برستے بادل بوسیدہ ہڈیوں کو آب حیات پلاتے ہیں۔ اس سے کائنات اور انسان کی تخلیق کا سبب پوچھ کہ اس کی دلیلیں 'کیوں' سے بے نیاز ہوں گی۔''

نام ابوالفتح عمر خیام بن ابراہیم نیشاپوری ہے۔ پیدائش کا سال 1048 عیسوی بتایا جاتا ہے۔ عمر خیام کو ایک سے زائد علوم میں مہارت تھی۔ وہ علم ہیئت کا ماہر تھا۔ فلسفہ میں ابوعلی سینا کا ہمسر تھا۔ شعر و سخن میں بھی پذیرائی ملی۔ علم نجوم پر گہری نظر تھی اس لئے بادشاہ خاص تقریبات کے انعقاد کے لئے عمر خیام سے رجوع کرتے تھے تاکہ معلوم کر سکیں یہ موقع تقریب کے انعقاد کے لئے مناسب ہے یا نہیں۔

عمر خیام کے جوابات ''رسالہ کون و تکلیف'' کے نام سے شائع ہوئے۔ یہ نام بعد کے ادوار میں رسالہ میں موجود نکات کو مدنظر رکھتے ہوئے تجویز ہوا۔ رسالہ کا ایک نسخہ جو 699ھ کا لکھا ہوا ہے، مصر کے رئیس (نور الدین بک مصطفیٰ خسر عبدالحلیم پاشا عاصم) کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ خط اور اس کا جواب دونوں عربی زبان میں ہیں۔ قارئین کی سہولت کے لئے مندرجات کو اختصار سے آسان الفاظ میں بیان کیا جا رہا ہے۔

عمر خیام نے ابونصر محمد عبدالرحیم نسوی کو لکھا، تمام فلسفہ کا نچوڑ تین سوالات ہیں:

۱۔ کیا یہ ہے ــــ؟ (وجود)

۲۔ اگر ہے تو کیا ہے ــــ؟ (ماہیت)

۳۔ اور کیوں ہے ــــ؟ (سبب یا علت)

اس کے بعد تفصیل بیان کرتے ہوئے وہ کہتا ہے، ''خالق کی ذات بے نیاز ہے جب کہ مخلوق وسائل و اسباب کی پابند ہے۔ مخلوق یا کوئی شے وجود اور ماہیت (کیا؟) سے خارج نہیں ہوسکتی، وہ شکل و صورت رکھتی ہے، اور اس کی تخلیق کا کوئی مقصد ہے۔ شے کی موجودگی کی وجہ کیا ہے، یہ بذات خود ایک سوال ہے کیوں کہ ہر سبب کا ایک سبب ہے۔ جیسے زمین پر حیات کا سبب پانی ہے۔ پانی کا سبب بارش ہے، بارش کا سبب بادل ہے، بادل کا سبب بخارات کا جمنا ہے، جمنے کا سبب فضا میں حرارت کا تناسب منفی ڈگری ہے، حرارت کو فضا میں ہوا نے اٹھایا اس سے پہلے وہ بھاپ کی صورت میں تھی، بھاپ سے پہلے وہ پانی تھی، پانی سے پہلے شکل ٹھوس تھی۔ ٹھوس حالت کا سبب حرارت ہے جس نے گیس کو مائع میں تبدیل کیا اور مائع کو منجمد کر دیا وغیرہ۔ یہ نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے مگر ان عوامل کی وجہِ حرکت ایک ہے اور وہ ذات باری تعالیٰ ہے۔ ادراک کی منازل سے گزر کر فرد بالآخر ایسی حقیقت سے آشنا ہوتا ہے کہ جہاں سوال و جواب ختم ہوجاتے ہیں۔

خالق کائنات جس طرح اپنے وجود کے سبب سے بے نیاز ہے، اسی طرح اس کے اوصاف و افعال بھی اسباب سے مستغنی ہیں۔ ہر شے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی ہوئی ہے اور معین نظام کے تحت ذمہ داری پوری کر رہی ہے۔ یہ سوال اہم ہے کہ اس نے کیوں بنایا اور ہست (وجود) کیا ہے۔ اس نے اپنے عرفان کے لئے ہمیں پیدا کیا۔ خالق کائنات کے جود و کرم کا نتیجہ ہے کہ دنیا ہست ہے اور ہم موجود ہیں۔''

قارئین! ہر وہ شخص جو تفکر کی راہوں پر قدم رکھتا ہے اس کے ذہن کے پردہ پر سوال ابھرتا ہے کہ کائنات کیوں بنائی گئی، نظام کائنات کیا ہے، اس کا خالق کون ہے اور یہ سب کس طرح سے قائم ہے ــــ؟

جواب قرآن کریم کی اس آیت میں موجود ہے کہ،

''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ پرندے جو پر پھیلائے اڑ رہے ہیں؟ ہر ایک اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ جانتا ہے، اور یہ سب جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے۔'' (النور:۴۱)

''وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو ایسے سہاروں کے بغیر قائم کیا جو تم کو نظر آتے ہوں، پھر وہ اپنے تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوا، اور اس نے آفتاب و ماہتاب کو ایک قانون کا پابند بنایا۔ اس سارے نظام کی ہر چیز ایک وقت مقررہ تک کے لئے چل رہی ہے اور اللہ ہی اس سارے کام کی تدبیر فرما رہا ہے۔'' (الرعد:۲)

کائنات کی تخلیق کا مقصد ذات واحد ــــ اللہ تبارک و تعالیٰ کا عرفان ہے۔ ہر مخلوق عطا کئے گئے علم کی مناسبت سے معرفت رکھتی ہے ۔ ذرّہ اور ذرّہ کے پھیلاؤ پر غور کرنے سے ادراک ہوتا ہے کہ ہر شے مقداروں کی پابند اور حرکت کے لئے توانائی کی محتاج ہے۔صرف خالق کائنات احتیاج سے آزاد ہے۔

''کہو اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے، اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔'' (الاخلاص:۱-۴)

مخلوق کسی نہ کسی زمان و مکان پر قائم ہے مگر اللہ تعالیٰ کی ذات زمان و مکان سے ماورا اور زمان و مکان کی خالق ہے۔ارشاد باری ہے،

''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین کی قسم سے بھی ان ہی کے مانند۔'' (الطلاق:۱۲)

''وہ جس نے چھ ایام میں زمین اور آسمانوں کو اور ان ساری چیزوں کو بنا کر رکھ دیا ہے جو آسمان و زمین کے درمیان ہیں۔ پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا۔ وہ رحمٰن ہے۔اس کی شان کسی خبردار سے پوچھو۔''

(الفرقان: ۵۹)

ذات باری تعالیٰ کو اپنی موجودگی کے لئے کسی سبب کی ضرورت نہیں البتہ مخلوق کی موجودگی کا سبب اللہ رب العالمین ہے۔

عمر خیام نے ابوعلی سینا کے شاگرد کو خط میں موجودات کی ترتیب اضافی (نزولی ترتیب) کی فضیلت کا نکتہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ،

''اس مسئلہ میں بہت سے لوگ سرگرداں ہیں اور میں بھی ان میں سے ایک ہوں۔ حقیقت کیا ہے، میں نہیں جانتا۔ اس بارے میں بحث و تحقیق وہاں تک پہنچی جہاں ہمارے نفس کو قناعت ہوگئی جو معمولی، غلط، نمائشی، ظاہر چیز (علم) پر قانع ہو جایا کرتا ہے یا ــــ درحقیقت بات ہی فی نفسہٖ ایسی قوی اور پُرزور ہوتی ہے کہ اس کو تسلیم کر لینا ضروری ہے۔ میں یہ سمجھا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے موجودات کو ترتیب میں تخلیق کیا ہے، اور وہ سب کو وسائل فراہم کرتا ہے۔''

خیام نے اس کے بعد شیخ ابوعلی سینا کے فلسفہ ''مراتب موجودات'' کو بیان کیا ہے کہ،

''پہلے عقل اول پیدا ہوئی پھر عقل ثانی پیدا ہوئی پھر عقل سوئم سے لے کر دہم ــــ یہاں تک کہ مادہ پر اس نزولی تخلیق کا خاتمہ ہوا۔''

(قدیم یونانی فلسفہ میں دس افلاک کا نظریہ تھا جن کی بیلٹ پر ستارے اور سیارے گھومتے ہیں، ہر فلک کو رواں رکھنے والی ایجنسی عقل کہلاتی تھی۔ اس طرح دس عقول ہوئیں۔)

''بعد ازاں ایجادات کا دور شروع ہوا۔ مرکبات و معدنیات کے درجہ کے بعد آدمی کی تخلیق ہے۔ آدمی تخلیقات میں اس وقت اشرف ہے جب وہ اصل سے زیادہ قریب ہے۔ البتہ اس کی فضیلت و بزرگی

درجہ بہ درجہ نیچے اتر آئی۔''

آسان الفاظ میں اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ مخلوقات میں جو پہلے پیدا ہوئیں جیسے عقل اول وہ سب سے افضل ہیں، اور جو مرکز سے انتہائی دوری پر ہے وہ فضیلت میں سب سے کم ہے۔ پھر قوت ایجاد کے اعتبار سے مرکبات و معدنیات و حیوانات میں اس فضیلت و بزرگی کی ترتیب دوبارہ نیچے سے اوپر کو چڑھتی گئی، یہ گویا صعودی قوس ہے۔ یہاں تک کہ انسان سب سے افضل قرار پایا۔ اوپر سے نیچے آیا تو حقیقت سے دور ہوا اور جب پستی سے بلندی پر پہنچا تو حقیقت سے قریب ہوگیا۔ عمر خیام کے بقول،

''انسان پر اس کی انتہا ہوئی جو تمام مرکب موجودات میں سب سے اشرف اور مادی وجود میں آنے کی وجہ سے سب سے آخر ہے۔ موجودات میں اشرف وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے قریب ہے اور مادیات میں اشرف وہ ہے جو اصل سے زیادہ دور ہے۔''

عمر خیام نیشاپوری نے لکھا ہے،

''سوال یہ ہے کہ مرکبات مادی ترتیب سے یکے بعد دیگرے کیوں ظہور پذیر ہوتے ہیں اور غیر مادی اشیا کی طرح ایک ساتھ کیوں ظاہر نہیں ہوئے ــــ؟ مادی کائنات اور موجودات متضاد ہیں اور جو اشیا متضاد اور متقابل ہوں وہ سب ایک ساتھ تخلیق ہوتی ہیں لیکن درجہ بہ درجہ عدم سے وجود میں آتی ہیں۔ کپڑا ایک وقت میں سپید و سیاہ نہیں ہوتا۔ دونوں رنگ یکے بعد دیگرے اس پر چڑھتے ہیں۔''

وہ کہتا ہے کہ اگرچہ میں نے ان نکات کو حکما کے خاص گروہ کی پیروی کے مطابق بیان کیا ہے لیکن اگر تم ان کے اصول کی تحقیق تفکر کے ذریعے کرو تو حق تعالیٰ ان کی تحقیق کی بذریعہ یقین تم کو ہدایت کرے گا۔

اس کے بعد عمر خیام نے عبادات کی بجا آوری کے حکم کو بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ،

''گو اس کے معنی مختلف ہیں لیکن حکما کے نزدیک یہ ہیں: عبادات کا حکم فرمان الٰہی ہے اور اس لئے صادر کیا گیا ہے کہ اس کی مدد سے افراد کائنات دنیا و آخرت کے کمالات کی طرف عملاً آئیں۔ اس کی استعداد ہر فرد کے اندر رکھی گئی ہے۔ احکام الٰہی کی تعمیل فرد کو ظلم و بے انصافی، برائی، نقائص اور جسمانی خواہشات کا غلام بننے سے روکتی ہے۔''

اللہ تعالیٰ سے واقف ہونے، نظام کائنات کو سمجھنے اور نظم و ضبط میں زندگی گزارنے کے لئے باری تعالیٰ نے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا اور الہامی کتب نازل کیں۔ عمر خیام نے خط میں شریعت کی ضرورت اور نبوت کے متعلق لکھا ہے،

''اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کو اس طرح بنایا ہے کہ اس کے افراد الگ الگ غیر محدود مدت تک زندہ نہیں رہ سکتے اس لئے جب تک موجودہ اور آئندہ نسلیں باہم مل کر ترقی کی کوشش نہ کریں، کمال نوعی حاصل نہیں ہوسکتا۔ نیز موجودہ تمام افراد آپس کے تعاون اور ایک دوسرے کی تمدنی و اجتماعی امداد کے بغیر زندگی کی

ضروریات ،لباس وخوراک ومسکن وغیرہ کو پورا نہیں کر سکتے۔اس طرح باہمی تعاون کے منصفانہ وعادلانہ دستور کی ضرورت پیش آتی ہے جس کا نام شریعت ہے۔ شریعت عادلہ کی حامل ایک ایسی ہستی ہونی چاہئے جو تمام افراد سے زیادہ عاقل، پاک وطاہر ہو اور دنیاوی مہمات میں ملوث نہ ہو۔اس کی غرض وغایت دولت و ریاست کی محبت اور جاہ پسندی نہ ہو، جذبات پر اس کو قابو ہو اور ہر کام میں اس کی غرض رضائے الٰہی کی طلب ہو۔ایسا شخص دستور انسانی یعنی شریعت کا حامل ہوسکتا ہے تاکہ کسی ایک کے حق میں اس کا پلڑا نہ جھکے۔اور اس کے حکم کی پیروی بادشاہ ورعایا پر یکساں ضروری اور امیر وغریب دونوں پر یکساں حاوی ہو۔''

خیام مزید کہتا ہے کہ،

''چوں کہ لوگ خیر وشر کے قبول واستعداد میں مختلف ہوتے ہیں لہٰذا ہر شخص میں خیر کے قبول کرنے ،اور شر کے ترک کی صلاحیت مختلف ہوتی ہے۔کوئی وعظ و پند (نصیحت) سے قبول کرتا ہے، کوئی دلیل و برہان سے مانتا ہے۔کوئی محبت سے تسلیم کرتا ہے۔کوئی انعام واکرام سے رام ہوتا ہے اور کوئی جزا وسزا اور جنگ کے بعد باز آتا ہے۔اس لئے انبیائے کرام نے لوگوں کی تربیت کے لئے ضرورت کے مطابق مختلف طریقے اختیار کئے۔''

عبادت کیوں کی جائے کے ضمن میں خیام نے کہا،

''عبادات بار بار ادا کرنے کا حکم اور ان کی فرضیت

عمر خیام کی ایک رباعی

کل مجھے یوں خواب میں اک مردِ دانا نے کہا
غنچۂ امید کس کا خواب غفلت سے کھلا
سوئے رہنا اور مرجانا دونوں ایک سے
مے کشی کرلے کہ زیر خاک سوئے گا سدا
(مترجم: سید شاکر القادری)

اس لئے ہے کہ متواتر تکرار سے اللہ کی یاد لوگوں کے اندر مستحکم ہوجائے۔''

اس کے بقول ان احکام کے بجا لانے اور ممنوعہ امور سے بچنے میں تین فائدے ہیں:

۱۔ نفس کی پرستش سے احتراز۔

۲۔نفس کو الٰہی امور، روح اور آخرت میں تفکر کا عادی بنانا تاکہ نفس میں دارِ ناپائدار کے طلسمات سے نکل کر حق سے واقف ہونے کی استعداد بیدار ہو۔

۳۔ امن و امان، نظم و اطمینان ،عدل و انصاف اور اشتراک کا جذبہ پیدا ہو اور عالمین کا نظام حکمت ربانی کے مطابق قائم رہے۔

خط کے آخر میں عمر خیام نے واضح کیا کہ،

''عبادت نفس کو اللہ کی طرف راغب کرتی ہے جس سے ہر موجود کا وجود ہے۔اللہ کا ذکر بلند ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔اس ہستی سے موجودات کو وجود کا فیض سلسلۂ ترتیب میں منظّم ہو کر ملا ہے، اس ترتیب کے پیچھے حق اور حکمت مخفی ہے جو ہر طرح کے قیاس، فریب اور مغالطہ سے آزاد ہے۔''

مسائل کا حل ـــ پیرا سائیکالوجی

ممتاز روحانی اسکالر خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی روحانی وسماجی خدمات عشروں پر محیط ہیں۔انہوں نے مختلف طریقۂ علاج کے تحت مسائل کا حل پیش کیا جن میں ایک پیرا سائیکالوجی (مابعدالنفسیات) ہے۔ پیرا سائیکالوجی مصدر اطلاعات کا ایسا علمی دائرہ ہے جس میں بے رنگی پائی جاتی ہے۔ بے رنگی میں لاشعور رنگ بھرتا ہے تو اس کی حیثیت نفسیات کی ہوجاتی ہے، اور جب یہ عمل فعال اور متحرک ہوتا ہے تو اس کی حیثیت طبعیات (شعور) کی ہے۔

ایک صاحبہ نے عظیمی صاحب کو خط لکھا ـــ والد کے انتقال کے بعد والدہ نے ہم پانچ بہن بھائیوں کی پرورش کی۔والد کی جائیداد سے گزر بسر ہوتی رہی۔ بڑے بھائی تجارت سے منسلک ہوئے۔ چھوٹے بھائی نے ملازمت اختیار کی اور شادی کے بعد الگ ہوگئے۔ کچھ عرصہ کاروبار ٹھیک رہا پھر آہستہ آہستہ ختم ہوگیا یہاں تک کہ جائیداد فروخت کرنا پڑی۔صورت حال یہ ہے کہ دکان کے کرائے کے لئے پیسے اور رہنے کے لئے ذاتی مکان نہیں ہے۔ والدہ صدموں کی تاب نہ لاکر فوت ہوگئیں۔ سمجھ سے باہر ہے کہ یہ افتاد ہم پر کیوں پڑی ہے۔

عظیمی صاحب نے پیرا سائیکالوجی کے تحت علاج تجویز کیا کہ،

> ''چاول لیجئے۔ ہر چاول کے دانہ پر ایک ایک نقطہ لگائیے اور جب چاول ایک ہزار ہوجائیں تو یہ چاول پرندوں کو ڈال دیجئے۔ لکھنے کے دوران کسی سے بات نہ کریں۔ آسانی اس میں ہے کہ رات کو سونے سے پہلے یہ کام کرلیں۔ کم سے کم 40 دن کریں۔ اس کے بعد بھی اگر کچھ عرصہ جاری رکھیں تو اور زیادہ مفید ہوگا۔ اس طرز عمل سے ایثار کا جذبہ پیدا ہوجائے گا اور ذہن میں جو بدگمانی پیدا ہوگئی ہے وہ کافی حد تک ختم ہوجائے گی۔ بحیثیت مسلمان یہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور مسلسل ناشکری کفران نعمت ہے۔ یاد رکھئے! دیر ہو یا سویر ـــ کفران نعمت کرنے والوں کو قانون قدرت معاف نہیں کرتا، ان پر وسائل تنگ ہوسکتے ہیں۔''

قارئین کرام! ''ماہنامہ قلندر شعور'' میں خواب کی تعبیر کے مقبول سلسلہ کے علاوہ پیرا سائیکالوجی طریقۂ علاج کے تحت مسائل کے حل کا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے۔ اگر آپ کسی مسئلہ کا حل دریافت کرنا چاہیں تو ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو خط لکھ سکتے ہیں۔ خط کے ساتھ ٹوکن منسلک ہونا ضروری ہے۔ ٹوکن شائع کیا جائے گا۔

عائشہ خان

مرشد کی باتیں

دوپہر کے وقت وہ خانقاہ میں داخل ہورہا تھا کہ سفید لباس میں کسی کو سفید جالیوں والے برآمدہ سے باہر نکلتے دیکھا۔ احساس ہوا کہ یہی وہ بزرگ ہیں۔ ایک لمحہ کو رکا ـــ آگے بڑھا اور پھر رک گیا۔

بچہ کا ذہن صاف ہوتا ہے۔ سوچ شفاف اور دل ذکر پر مرکوز ہوجائے تو برگزیدہ ہستیوں سے ملاقات ہوتی ہے اور پاکیزہ خواب آتے ہیں۔

بچپن میں اس نے بچوں کے لئے لکھی گئی انبیائے کرام کی سوانح حیات بصد شوق ایک سے زائد مرتبہ پڑھیں۔ کچھ عرصہ بعد دوبارہ پڑھتا اور ہر بار وہ نئی محسوس ہوتیں۔ واقعات پڑھتے ہوئے اندر میں اسکرین پر فلم چلتی تھی جو بار بار دیکھنے سے نقش ہوگئی۔

آسان الفاظ، بڑی لکھائی، درمیانہ سائز کی زیادہ صفحات والی کتابیں ـــ اس کی دوست تھیں۔ قصائص پڑھتے ہوئے تصور کی دنیا متحرک ہوجاتی۔ ایک تصویر الفاظ کی شکل میں سامنے ہوتی، اور ایک اس کے اندر الفاظ میں پنہاں مفہوم کی صورت میں، فلم کے کرداروں کی طرح ترتیب سے حرکت کرتی تھی۔

گزرا ہوا وقت جب دوبارہ نظر سے گزرتا ہے تو تمیز کرنا مشکل ہوجاتی ہے کہ آیا اس نے وہ سب صرف پڑھا تھا یا یہ سب ہوتے دیکھا ـــ؟

ایک بار خود سے یہ سوال کیا تو جواب میں حضرت یوسفؑ کا دور روشن ہوگیا ـــ گھر میں بھائیوں کا والد سے اجازت لینا، والد کا بیٹوں کو اجازت دینا، بھائیوں کا حضرت یوسفؑ کو کنوئیں میں ڈالنا اور قمیص پر بکری کے خون کے نشانات ـــ اس دوران وہاں موجود فضا اور آس پاس منظر ـــ سب اندر کی اسکرین پر روشن تھا۔ پھر اس نے ایک بڑا ہال دیکھا جس میں زرق برق لباس میں قطار میں بیٹھی خواتین پھل کاٹ رہی ہیں، چہرے نظر سے اوجھل ہیں۔ اس کے بعد جیل کا منظر روشن ہوا جب حضرت یوسفؑ نے بادشاہ کے مصاحب کو سات گایوں والے خواب کی تعبیر بتائی۔

(بچپن میں واقعہ پڑھنے کے بعد اکثر خیال آتا تھا کہ سات سال کے لئے غلہ کتنا، کیسے اور کہاں ذخیرہ کیا گیا ہوگا لیکن جواب معلوم نہیں تھا)۔

پھر اندر فلم میں ایک بڑا دربار دیکھا جس کے تخت پر ایک ہستی تشریف فرما ہے، وہ موجود لیکن نظر سے اوجھل ہے۔ اس ہستی نے ایک خواب دیکھا ہے جس

میں ایک سورج اور گیارہ ستارے ہیں۔

بعد کے مناظر پر پردہ ہے۔ وہ ایک بار پھر سوال کے ساتھ موجود تھا کہ کیا میں نے یہ سب صرف پڑھا ہے یا دیکھا بھی ہے — ؟عقل خاموش لیکن دل پر نقش کی روداد اور تھی۔

حضرت ابراہیمؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت محمدؐ کے بارے میں سب سے زیادہ پڑھا۔ ایک کتاب حضرت محمدؐ کے والد محترم حضرت عبداللہؓ بن عبدالمطلبؓ پر تھی جس میں ان کے دور کی تفصیلی منظر کشی تھی، پڑھ کر وہ بے حد متاثر لیکن افسردہ بھی ہوا۔ اس وقت اس کی عمر آٹھ یا نو سال تھی۔ بتایا گیا کہ حضرت عبداللہؓ بے حد وجیہ اور صلاحیت کے سبب لوگوں میں نمایاں تھے، شادی ہوگئی تھی اور نوجوانی میں انتقال ہوگیا۔

معصوم ذہن نے سوچا کہ اس قدر خوب صورت شخص کا نوجوانی میں انتقال کیوں ہوا۔ اسے ان کی اہلیہ سے بے حد ہمدردی محسوس ہوئی اور پھر جب اہلیہ کے یہاں بچہ کی ولادت ہوئی تو اب وہ پریشان ہوگیا کہ بچہ کا کیا ہوگا۔ واقعہ پڑھ کر پورا دن اس سوچ میں گزر جاتا۔ کچھ دنوں بعد پھر یہ کتاب اٹھاتا اور پھر اسی سوچ کا غلبہ ہوجاتا۔ اس نے ذہن کی اسکرین پر ابھرنے والے سوالات کبھی کسی سے نہیں پوچھے۔

اب جب بچپن کی پریشانی یاد آتی ہے تو احساس ہوتا ہے کہ واقعات پڑھ کر ہم دردی کے جذبات اپنی جگہ لیکن جس ماحول میں پرورش ہوئی، اس میں شک اور بے یقینی تھی اس لئے اسے فکر ہوگئی کہ ''بچہ'' کا کیا ہوگا۔

ماحول میں صاحبِ طریقت کے علاوہ شک اور یقین کی نشان دہی کوئی نہیں کرتا۔ سب یہ تو کہتے ہیں کہ یقین پیدا کرو لیکن وہ یہ نہیں بتاتے کہ یقین کس عمل کی جگہ لے گا۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ یقین نہ ہونے کی وجہ شک یعنی فکشن سوچ ہے۔ سبب یہ ہے کہ شک سرایت کرنے کی وجہ سے کسی کو اس کا ادراک نہیں ہوتا، شک یقین بن جاتا ہے جب کہ یقین — بے یقینی کا کردار بن جاتا ہے۔

انبیائے کرام کے قصائص اسے والدہ نے لاکر دیئے تھے۔ گھر میں صبح دس بجے سے بارہ بجے تک ٹیپ ریکارڈر پر نعتیں لگتی تھیں اور وقتاً فوقتاً بہن بھائی انہیں پڑھتے رہتے تھے۔ پھر اسکول کی پڑھائی کا بوجھ بڑھا اور وقت بدل گیا۔ اب اس نے کتابیں پڑھنا چھوڑ دیں۔

آٹھویں کلاس میں داخل ہوا تو اکثر خواب میں درود شریف روشن حروف میں لکھا ہوا نظر آتا تھا۔ ایک روز خواب میں دیکھا کہ وہ درود شریف پڑھ رہا ہے، اس دوران حضرت عیسیٰؑ کی زیارت ہوئی اور آنکھ کھل گئی۔

چند روز بعد اسکول کی کاپی کھوگئی، بہت تلاش کیا، نہیں ملی — خواب میں دیکھا کہ الماری میں فلاں جگہ جائے نماز کے نیچے رکھی ہے — کاپی موجود تھی۔

اسی طرح گاڑی چوری ہوتے ہوئے دیکھی، صبح وہ خواب بھول گیا، شام کو یاد آیا، گھر میں لوگوں سے کہا، کوئی گاڑی چوری کر رہا ہے۔ انہوں نے باہر جا کر دیکھا، چور نے شیشے اتار دیئے تھے ــــ گاڑی چوری ہونے سے محفوظ ہوگئی۔

گھر بڑا ہونے کی وجہ سے چھت بھی بڑی تھی، چھت میں کمرے بھی بنے ہوئے تھے۔ایک روز نیند کی دنیا میں داخل ہوا تو چھت پر خانہ کعبہ دیکھا جس کے گرد سفید لباس میں لوگ طواف کر رہے تھے۔

اس وقت اللہ رسول کی طرف رجحان کم لیکن موجود تھا مگر اللہ معاف کرے کہ مستقل مزاجی نہ ہونے کی وجہ سے اللہ رسول سے تعلق کی اہمیت کا احساس نہیں تھا۔

ایک روز آیۃ الکرسی پڑھتے ہوئے خیال آیا کہ ترجمہ پر توجہ مرکوز کرنے سے ورد میں اثر پیدا ہوگا۔ٹھہر ٹھہر کر مسلسل ورد کیا اور توجہ ترجمہ پر رکھی۔ سمجھ میں ایک لفظ نہیں آیا کہ ان آیات میں حکمت کیا ہے۔ ماحول میں حافظ بہت تھے لیکن بتانے والا کوئی نہیں تھا۔زبان نے ورد میں چاشنی محسوس کی اور دل کو ذکر میں سرور ملا۔

اس رات خواب میں دیکھا کہ وہ گھر کے صحن میں کھڑا ہے کہ قسمت جاگ اٹھی ــــ پیمبر و قاصد تشریف لائے۔اس نے ان کو دیکھا نہیں ــــ موجودگی محسوس کی۔ قاصد نے پیمبر کو بتایا کہ یہ ہے وہ بندہ جو آیۃ الکرسی پڑھتا ہے۔

شام کو بہن بھائی چھت پر کھیلتے تھے، وہ بھی ساتھ ہوتا۔ایک شام نہ جانے دل میں کیا سمائی کہ قرآن کریم چھت پر ساتھ لے گیا اور سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات یاد کرنا شروع کیں ــــ پانچ آیات یاد ہوگئیں۔

رات خواب میں سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر موجود کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ یکا یک پیچھے مڑ کر دیکھا اور رک گیا۔چھت کی ایک چھوٹی دیوار پر جواہرات سے مزین انتہائی حسین سبز تاج پہنے نہایت معزز ہستی تشریف فرما تھی لیکن ان کا رخ چھت سے باہر کی طرف تھا۔ جیسے ہی اس نے مڑ کر دیکھا، چند لمحوں بعد ہستی نے بھی مڑ کر اسے دیکھا ــــ یا پھر ہستی کی کشش کی لہروں نے اس کے قدم روک لئے اور وہ بے اختیار ان کی طرف متوجہ ہوگیا۔آنکھوں میں چمک، چمک میں گہرائی اور سبز حسین تاج اب تک ذہن میں نقش ہیں۔نظر پڑتے ہی ادراک ہوا کہ یہ کون ہیں اور ــــ وہ ٹھہر گیا۔

زندگی کا سفر آگے بڑھا، توجہ بدلی اور ان خوابوں کا سلسلہ کم ہوگیا۔ بھول بھلیوں میں گم کیا ہوا کہ سکون کی جگہ بے سکونی نے لے لی اور بے یقینی پہلے سے زیادہ بڑھ گئی۔وہ بھول گیا کہ اللہ اور رسول کا ذکر کیا ہے۔ بس در در کی ٹھوکریں تھیں اور تقدیر سے گلے شکوے!

چھ سال بعد قریبی عزیز نے کہا، شہر کے نواح میں خانقاہ ہے جہاں اللہ کے ایک دوست رہتے ہیں۔ان

کی خانقاہ میں روحانی علوم پڑھائے جاتے ہیں، مجھے وہاں داخلہ لینا ہے،تم بھی ساتھ چلو — ایک سے دو ہوجائیں گے۔اس نے کچھ بھی سوچے بغیر روبوٹ کی طرح ہامی بھری۔معلوم ہوا کہ داخلہ کے لئے عملی امتحان ہوتا ہے۔امتحان کی نوعیت کی خبر نہیں تھی۔

خیال اس خانقاہ میں دی جانے والی تعلیم کی طرف بار بار متوجہ ہوا — خواب میں دیکھا کہ وہ سو رہا ہے،اور کوئی اسے اٹھانے آیا ہے۔وہ شخص جیسے ہی کمرے میں داخل ہوتا ہے،خواب میں اس کی آنکھ کھل جاتی ہے۔یہ دیکھ کر وہ شخص کہتا ہے،''جاگنے والے جاگ گئے ہیں''۔ الفاظ لہروں کے ذریعے منتقل ہوتے ہی وہ جاگ گیا۔

امتحان ہوا،داخلہ ملا اور کلاسیں شروع ہوگئیں۔

تین ماہ گزر گئے لیکن اس نے اب تک ان کو نہیں دیکھا جن کے بارے میں سن کر وہ یہاں آیا تھا۔کوئی کہتا کہ انہیں دیکھ کر بندہ خود سے بے خود ہوجاتا ہے، کسی نے بتایا کہ دل میں گداز پیدا ہوتا ہے،کوئی کہتا کہ شخصیت میں اتنا رعب ہے کہ خیال — بے خیال ہوجاتا ہے۔غرض سب کا اپنا تجربہ تھا۔

وہ بھی ملاقات میں ایسی ہی کسی کیفیت کا منتظر تھا۔ اور پھر ایک روز قسمت نے یاوری کی اور صاحبِ خانقاہ سے سامنا ہوا۔

دوپہر کے وقت وہ خانقاہ میں داخل ہورہا تھا کہ سفید لباس میں کسی کو سفید جالیوں والے برآمدہ سے باہر نکلتے دیکھا۔احساس ہوا کہ یہی وہ بزرگ ہیں۔

ایک لمحہ کو رکا — آگے بڑھا اور پھر رک گیا — اس دوران بزرگ اس کے پاس سے گزرے اور السلام علیکم کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔اس نے وعلیکم السلام کہا لیکن — کچھ محسوس نہیں ہوا۔

آج یہ عالم ہے کہ وقت ان کے بغیر نہیں گزرتا۔ نیند سے جاگتا ہے تو پہلا خیال ان کا آتا ہے، نیند میں بھی ان کو تلاش کرتا ہے اور خدمت میں حاضر ہوکر خود سے بے خبر ہوجاتا ہے۔جب کہ پہلی ملاقات میں یہ کیفیت نہیں تھی۔

خیال نے بتایا — مشاہدہ نہیں تھا۔

ہمیشہ کی طرح وہ کچھ اور لکھنے بیٹھا تھا لیکن بات کہاں سے شروع ہوئی اور کہاں پر آگئی۔خلاصہ یہ ہے کہ دل مہربان ہستی کے قدموں کی خاک بھی نہیں ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اور رسول اللہؐ کی بے پایاں رحمت ہے کہ انہوں نے ناچیز کو اپنے ایک دوست کے قدموں میں جگہ دے دی۔

اللہ کے دوست نے اسے سکھایا کہ خود کو پڑھنا، دراصل راستہ کو پڑھنا ہے۔انہوں نے انتہائی ایثار کرکے گم راہ کو اچھے اور برے میں تمیز کرنا سکھائی جس سے اللہ اور رسول اللہؐ کی محبت ظاہر ہوئی۔

ایک روز مرشد کریم سے عرض کیا، یہ کیسی زندگی ہے کہ ہر قدم پر امتحان —؟ نشیب و فراز سب کی زندگی

میں ہیں مگر لگتا ہے کہ بعض لوگ خالصتاً اس کے لئے پیدا ہوتے ہیں اور میں بھی ان میں سے ہوں۔

فرمایا، آپ کے اندر بغاوت بہت ہے۔ جب تک بندہ لہروں سے لڑتا ہے، لہریں کبھی یہاں پھینکتی ہیں اور کبھی وہاں ـــ سمندر میں رہنے کا طریقہ لہروں سے لڑنا نہیں، خود کو ان کے سپرد کرنا ہے۔ لہروں کی حرکت وہی رہے گی لیکن جب آپ نے خود کو سمندر کے سپرد کر دیا تو اب وہ آپ کی حفاظت بھی کرے گا۔

آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ لہریں مجھے تھکا رہی ہیں؟

نہیں! میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ خود کو تھکا رہے ہیں۔

میں اب واقعی تھک گیا ہوں۔

ابھی نہیں تھکے ـــ بغاوت باقی ہے۔

اس کے چہرہ پر مسکراہٹ در آئی اور سوچا باغی ذہن کی وجہ سے روئی کی دھنائی اور کتنی مرتبہ ہوگی ـــ؟

حضور! معلوم ہے کہ میری سوچ غلط ہے پھر میں اس سے نکل کر واپس اسی میں الجھ جاتا ہوں۔ عجیب زندگی ہے میری! ایک شک سے نکل کر دوسرے شک میں داخل ہونا۔ سوچتا ہوں کہ اگر فلاں مسئلہ ختم ہو گیا تو سب ٹھیک ہو جائے گا، وہ مسئلہ ختم ہوتا ہے کہ دوسرا سامنے آجاتا ہے۔ شک کا حل مسئلہ کا ختم ہونا نہیں ـــ شک ختم ہونا ہے۔

فرمایا، یہ ضمیر کی راہ نمائی ہے۔ الجھنے کی وجہ جذبات میں اعتدال نہ ہونا ہے۔

دریافت کیا، اعتدال کیسے آتا ہے ـــ؟

فرمایا، جب ہم برداشت کرنے کی سکت سے واقف ہوتے ہیں۔ نان بائی خواجہ باقی باللہؒ جیسا بن گیا کیوں کہ اس کے اندر یہ صلاحیت تھی لیکن وہ اپنی سکت سے واقف نہیں تھا اس لئے ان کے انوار برداشت نہیں کر سکا۔ مرشد ـــ مرید کو سکت سے قدم قدم متعارف کراتا ہے اور اس میں وقت لگتا ہے۔

عرض کیا، میں نے اپنے اور دوسروں کے رویوں میں اتنا اتار چڑھاؤ دیکھ لیا ہے کہ اب مجھے ہر شے اور رویہ بے معنی لگنے لگا ہے۔ شاعر* کہتا ہے،

میں زندگی کا ساتھ نبھاتا چلا گیا
ہر فکر کو دھوئیں میں اڑاتا چلا گیا
بربادیوں کا سوگ منانا فضول تھا
بربادیوں کا جشن مناتا چلا گیا
جو مل گیا اسی کو مقدر سمجھ لیا
جو کھو گیا میں اس کو بھلاتا چلا گیا
غم اور خوشی میں فرق نہ محسوس ہو جہاں
میں دل کو اس مقام پہ لاتا چلا گیا

مسکرا دیئے اور فرمایا، اچھا کلام ہے۔ ہم جس نگاہ سے دنیا کو دیکھتے ہیں، یہ سب الوژن ہے۔ نافرمانی کی سزا کے طور پر ہم یہاں ہیں۔

عرض کیا، یہ کیسا الوژن ہے کہ ہر شے کو انتہائی حد تک حقیقی دکھاتا ہے؟

فرمایا، سب اس درخت کا نتیجہ ہے جس کے قریب

---

* ساحر لدھیانوی

اللہ نے جانے سے منع فرمایا۔

''اور یہ جو رنگ برنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لئے زمین میں پیدا کی ہیں، ان میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں۔'' (النحل:۱۳)

درخت ایک ہے لیکن ہمیں الگ الگ نظر آرہا ہے۔ اس میں تغیر ہے اور تغیر دنیا کی زندگی ہے جب کہ زندگی نہیں ہے۔

پھر چائے پیتے ہوئے وہ گہری سوچ میں تھے کہ فرمایا، یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا جس چیز میں تغیر ہو، وہ حقیقت نہیں ہے۔ جو چیز اللہ نے ہمارے لئے بنائی اس کو سب کچھ سمجھ لینا ناشکری ہے۔ ہر شخص کے دو رخ ہیں۔ عورت نہ ہو تو مرد اور مرد نہ ہو تو عورت سے تخلیق نہیں ہوگی۔ اللہ کے علاوہ ہر چیز متغیر ہے اور آدمی اتنا متغیر ہے کہ — اچھا یہ بتاؤ انسان کیا ہے —؟

اس نے کہا، روح ہے۔

انہوں نے پوچھا، تخلیق کے حوالہ سے روح کے بارے میں کیا کہیں گے؟

جواب دیا، روح اللہ کا امر ہے۔

اور اللہ کا امر کیا ہے؟

وہ خاموش رہا تو فرمایا، اللہ کا امر اللہ کا چاہنا ہے۔ محقق کہتے ہیں کہ چاند سے سورج کو روشنی ملتی ہے۔ کیا دن میں چاند نظر نہیں آتا —؟

عرض کیا، نظر آتا ہے۔

یہ کہتے ہیں کہ ایک سے دوسرے کو روشنی ملتی ہے۔ رات کو کیوں نہیں ملتی —؟ سارا کھیل الوژن کا ہے۔ کیا جنت میں صرف ایک درخت ہے —؟ بے شمار درخت ہیں۔ اللہ نے جنت کے سارے درختوں کو چھوڑ کر ایک درخت کے قریب جانے سے منع کیا اور صبر نہ ہوسکا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ عقل کیا ہے —؟

عرض کیا، کسی بات کا فہم میں آنا۔

فہم کیا ہے —؟

ادراک ہونا، شے کا کھلنا اور مشاہدہ میں آنا۔

ٹھیک ہے۔ ادراک کیا ہے؟ کھلنا کیا ہے؟ کوئی شے کب، کہاں سے یا کیسے کھلتی ہے؟

وہ جواب نہیں دے سکا۔

شیخ نے فرمایا، یاد رکھو! جب تک آپ کو کسی چیز کے بارے میں پہلے سے معلوم نہ ہو تو آپ اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ وہ نظر نہیں آئے گی۔ اگر نظر آگئی تو آپ اس کو پہچان یا دیکھ نہیں سکتے۔ خیال کہاں سے آتا ہے —؟ قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میں دل میں خیال ڈالتا ہوں۔ اللہ نے معنی پہنانے کا اختیار دیا ہے۔ اگر بندہ یہ اختیار چھوڑ دے تو کیا ہوگا —؟ آپ وہی کریں گے جو اللہ چاہتا ہے۔ آپ نے خود کو سرنڈر کردیا۔ اس کو اللہ نے فرمایا،

''جو لوگ علم میں راسخ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ ہر شے اللہ کی طرف سے ہے۔''

(اٰل عمرٰن:۷)

اقتباسات

’’ماہنامہ قلندر شعور‘‘ کو گل دستہ بنانے کے لئے قارئین کی کوششیں قابل قدر ہیں۔ قرآن کریم، آسمانی کتابوں، ملفوظات، تاریخ، انکشافات اور سائنسی فارمولے بھیج کر اس رسالہ کا حصہ بن سکتے ہیں۔ تحریر کم وبیش 120 الفاظ پر مشتمل ہو۔

محقق بیان کرتے ہیں کہ دماغ اطلاعات قبول کرتا ہے اور یہ اطلاعات لہروں کے ذریعے منتقل ہوتی ہیں۔ اطلاع کی ہر لہر ایک وجود رکھتی ہے۔ وجود کا مطلب متحرک رہنا ہے۔ قانون یہ ہے کہ روشنی ہو یا پانی اس کے لئے بہاؤ ضروری ہے اور بہاؤ کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی مظہر بنے اور وہ خرچ ہو۔ جب کوئی بندہ پیر دھوتا ہے تو زائد روشنیوں کا ہجوم پیروں کے ذریعے ارتھ ہو جاتا ہے اور جسم زہریلے مادوں سے محفوظ رہتا ہے۔ (مرسلہ: فاروق۔ کراچی، کتاب: قوس قزح)

اللہ کو سب سے زیادہ خوشی جس عمل سے ہوتی ہے وہ توبہ ہے۔ توبہ کے معنی ہیں پلٹنا، رجوع کرنا۔ بندہ جب فکر و جذبات کی گم راہی میں مبتلا ہو کر گناہوں کی دلدل میں پھنستا ہے تو وہ خود کو اللہ کی محبت سے دور کر لیتا ہے اور گم ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ پلٹتا ہے اور شرمسار ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہیں، معافی قبول فرماتے ہیں۔ معافی مانگنے والے کے قلب میں اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ جس قلب میں اللہ کی محبت روشن ہو جائے، اسے دنیا کی کوئی شے دھوکا نہیں دے سکتی۔ (مرسلہ: حسنہ پرویز۔ لاہور)

اچھائی کے راستہ پر چلنے والے انسان فرشتوں کی طرح ہوتے ہیں۔ وہ کبھی گنتی نہیں کرتے کہ انہوں نے دوسروں کو کتنا دیا۔ یہ گننے کا سوال نہیں کیوں کہ وہ دوسروں کو اپنے پاس سے کچھ نہیں دیتے۔ یہ سب کچھ انہیں اللہ کی طرف سے مل رہا ہے۔ ان کے قلب و ذہن میں ایک ہی احساس ہوتا ہے کہ اللہ دے رہا ہے۔ ایسے لوگ دوسروں کو حصہ دار بناتے ہیں اور دل میں یہی سوچتے ہیں کہ لوگ جتنا چاہتے ہیں، لے لیں اور اپنے آپ کو خوشیوں سے لبریز کر لیں۔

(مرسلہ: نازش کلثوم۔ کراچی)

حصول علم کے لئے پانچ ذرائع ہیں۔سننا، دیکھنا، چکھنا، سونگھنا اور چھونا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ پانچ دروازے ہیں جن کے ذریعے ہر قسم کا علم باطن میں داخل ہوتا ہے۔ آواز اور خبر کا تعلق سننے سے ہے۔ مختلف رنگوں اور اجسام کا دیکھنے سے، تلخ وشیریں کا چکھنے سے، بو اور خوش بو کا سونگھنے سے اور سختی اور نرمی کا چھونے سے۔ ان پانچ حواس میں سے چار کے لئے اپنا اپنا مخصوص مقام ہے اور ایک حس ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے۔ سننے کا مقام کان میں، دیکھنے کا آنکھ، چکھنے کا کام دہن اور سونگھنے کا ناک، مگر چھونے کی حس تمام اعضا میں پھیلی ہوئی ہے۔ آدمی صرف آنکھ سے دیکھتا ہے، کان سے سنتا ہے، ناک سے سونگھتا ہے اور دہن سے چکھتا ہے مگر چھونے کے معاملہ میں اس کا سارا جسم سرد وگرم اور سخت ونرم میں تمیز کرسکتا ہے۔

(مرسلہ: محمد دانش۔کراچی)

انسان جیسے جیسے غور وفکر کر کے اپنے شعور کو لاشعور تک وسعت دیتا ہے اسے ان علوم اور حقائق سے آگاہی ہوتی چلی جاتی ہے جو اس کے لاشعور میں موجود ہیں۔ یہ اصول مادی وروحانی علوم میں یکساں طور پر کارفرما ہے۔ جس طرح انسان مادہ پر مسلسل غور وفکر کر کے اس کے اندر تہ در تہ مخفی حقائق سے واقف ہوسکتا ہے اسی طرح اگر وہ اپنی ذات میں مخفی حقیقت پر غور وفکر کرے تو وہ جسم سے روح، ناسوت سے ملکوت، جبروت، لاہوت —اور مادہ سے روشنی، نور، تجلی کی آگہی حاصل کرسکتا ہے۔ (مرسلہ: ثمینہ۔کراچی، کتاب: چشم ماروشن دل ماشاد)

اللہ سے دوستی کا مطلب ہر مخلوق کو دوست بنانا ہے۔ یہ دوستی اپنی اغراض کے لئے نہیں، اللہ کے لئے ہوتی ہے۔ خالص دوستی کا احساس اور رویہ دل میں تقویت پاتا ہے تو لامحالہ بندہ محسوس کرتا ہے کہ ہر فرد اللہ کی مخلوق اور ہر بندہ آدم کی اولاد کی حیثیت سے میرا بھائی یا بہن ہے۔ مخلوق کو دوست رکھنے والے کے چہرہ پر نرمی آتی ہے اور دنیا وآخرت میں اسے انعام واکرام عطا ہوتا ہے۔ (مرسلہ: عبدالمجید۔ساہیوال)

مرشد کامل کے سامنے جب طالب آتا ہے تو مرشد کامل اس کے باطن پر توجہ کرتا ہے اور تعلیم وتلقین میں اشکال وحروف کے بجائے ان کی معنویت میں محو کرتا ہے، طریق نبویؐ کے مطابق اپنی نگاہ سے اس کے باطن میں تزکیہ کی شمع جلاتا ہے اور کہتا ہے اپنے اندر سے پڑھ لا الہ الا اللہ یعنی اندر سے تمام خواہشات و تصورات جو غیر اللہ ہیں ان پر ''لا'' کی ضرب لگا دے۔ جب طالب عمل کرتا ہے تو اس کی آنکھ سے تمام پردے ہٹ جاتے ہیں اور الحی القیوم کے جلوے نظر آتے ہیں۔ (مرسلہ وقاص گل۔ابوظہبی)

حماد علی شاہ

بچے کیا سیکھتے ہیں ــــ؟

کہتے ہیں کہ آدمی کے مزاج میں ایک جگہ ٹھہرنا نہیں ہے۔یہی عادت باغ رضواں کو چھوڑنے کا سبب بن گئی۔ اسے ہر وقت کچھ نہ کچھ نیا چاہئے ۔جنت کی فضا میں معلوم نہیں کتنے دن گزارے ، آسائشوں سے دل گھبرا گیا تو زمین پر آکر مشقت کی زندگی اختیار کرلی۔

کردار کا مطالعہ عادت سے ہوتا ہے۔اچھی عادت بام عظمت سے ہم کنار کرتی ہے اور بری عادت پستی میں پھینک دیتی ہے۔کسی فرد کو پڑھنے کے مختلف پہلو ہیں اور تمام پہلو فرد کی عادت کے تابع ہیں۔ایک طرف انبیائے کرام کی پیروی کرکے پیکر خاکی آدم اشرف المخلوقات بن جاتا ہے اور کہیں کثافت کا لبادہ اوڑھ کر اسفل سافلین میں گر جاتا ہے۔

عادت کیا ہے ــــ؟ ہر وہ کام جو شعوری اور لاشعوری طور پر بار بار دہرایا جائے، عادت بن جاتا ہے۔آدمی کی زندگی عادت کے تابع اور عادت انسان کے تابع ہے۔

ایک شخص کام کرتے ہوئے بار بار گھڑی دیکھتا ہے، دوسرا شخص گھڑی سے بے نیاز کام میں مشغول رہتا ہے۔ کسی کو روز نہانے کی عادت ہے تو کوئی جمعہ کا انتظار کرتا ہے۔کسی کی رات غفلت میں گزرتی ہے تو کسی کی صبح ــــ صادق ہوتی ہے۔ایک شخص حسب استطاعت مدد میں پیش پیش رہتا ہے دوسرا بے حسی کا مظاہرہ کرتا ہے۔اسی طرح کسی کو اپنا کام خود کرنے کی عادت ہے تو کوئی دوسروں پر بوجھ بن جاتا ہے۔ایک آدمی دو تین کلومیٹر چلنے کے باوجود تھکن محسوس نہیں کرتا اور دوسرا چند قدم چلنے پر تھکاوٹ سے چور ہوجاتا ہے۔کسی کے چہرہ پر مسکراہٹ ہوتی ہے تو ایسے بھی لوگ ہیں کہ جب وہ مسکراتے ہیں تو مسکراہٹ اور ان کے چہرے نامانوس لگتے ہیں۔کوئی ہر چیز جگہ پر اور سلیقہ سے رکھتا ہے تو کسی کو بے ترتیبی میں حسن نظر آتا ہے۔کسی کو بات سمیٹنے کی عادت ہے اور کسی کو بات پھیلا دینے کی۔

وہ باتیں جو لکھی گئی ہیں اور وہ باتیں جو نہیں لکھی گئیں، سب عادات کے تحت انجام پاتی ہیں۔

داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ سے اس لئے زیادہ مضبوط نہیں ہے کہ وہ بائیں ہاتھ سے طاقت میں زیادہ ہے بلکہ داہنے ہاتھ کو کام کرنے کی عادت زیادہ ہے۔اسی طرح کام مشکل ہو تو بار بار کرنے سے آسان ہوجاتا ہے۔

مرزا اسداللہ خان غالبؔ نے کہا ہے کہ،

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہوگئیں

عموماً حیوانات کو کوئی عمل انجام دینے کے لئے عادت کو اپنانے کی ضرورت نہیں، جو نظام ان کے اندر فیڈ ہے، وہی ان کی عادت بن جاتا ہے۔ آدمی کو عادت کی نشوونما کے لئے بعض اوقات کافی توجہ درکار ہوتی ہے اور دل چسپی موجود ہو تو اضافی محنت کی ضرورت پیش نہیں آتی ۔ دونوں صورتوں میں وہ کام مزاج یا معمول کا حصہ بن جاتا ہے۔

پہلی بار سائیکل چلاتے ہوئے ہم گھبراتے ہیں اور توجہ توازن قائم کرنے پر مبذول ہوتی ہے کہ گر نہ جائیں۔ مشق ہوجائے تو سائیکل چلاتے ہوئے توازن کا رتی برابر خیال نہیں آتا۔ اسی طرح کہتے ہیں کہ تالا ایک مدت تک استعمال میں رہے تو کام کرتا ہے ورنہ زنگ لگ جاتا ہے۔

جسم کے ریشوں میں تبدیلی کی وجہ نئی عادت کی تشکیل ہے۔ ورزش معمول میں شامل نہ ہو اور آپ ورزش کریں تو ابتدا میں تناؤ محسوس ہوتا ہے ۔ مشق لچک پیدا کرتی ہے پھر تناؤ محسوس نہیں ہوتا۔ لچک پہلے خلیات میں ظاہر ہوئی، وہاں سے ریشوں اور ہڈیوں میں منتقل ہوگئی۔

عادتیں شعوری کوشش کے بغیر نہیں بنتیں ۔ یہ ایک طرح کی یاددہانی یا تکرار ہے جس کی غیر موجودگی میں نظام زندگی متاثر ہوجاتا ہے۔ عادت کی وجہ سے ہم قاعدہ، قانون اور ماحول کے تابع رہتے ہیں۔ نیکی اور برائی دونوں عادت کی مرہون منت ہیں۔ ہر دور میں پیغام پہنچانے والوں نے اچھائی اور برائی میں امتیاز کی تکرار کی تاکہ دونوں میں امتیاز فرد کی عادت بن جائے۔

عادت ایسا نشہ ہے کہ ایک بار پختہ ہوجائے، اس سے چھٹکارا مشکل ہوجاتا ہے۔ ایک شخص کو بات راز میں رکھنے کی عادت نہیں، آپ اس کو کہیں دیکھو بات اپنے تک رکھنا لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی وہ محلّہ کو خبر کردیتا ہے۔ ایسا کیوں ہے ــــ؟ اسے بات بتانے کی عادت ہے۔

تجربہ کرکے دیکھ لیں ۔ ناخوش گوار واقعہ پیش آیا یا کسی نے کسی کے بارے میں کوئی بات کہہ دی۔ وہ بات آپ نے سن لی۔ آپ خود سے کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات کسی کو نہیں بتانی مگر جب تک آپ کسی کو بتا نہ دیں خود کو یاد دلاتے رہتے ہیں کہ مجھے یہ بات کسی کو نہیں بتانی ــــ اور پھر الجبرا کے قانون کے تحت مائنس جب مائنس سے ملتا ہے تو پلس ہوجاتا ہے۔ یعنی نہیں نہیں کی تکرار ــــ ہاں بن جاتی ہے۔ بتایئے بار بار خود سے کہنا نشہ (عادت) نہیں تو اور کیا ہے ــــ؟

کسی کام سے خود کو روکیں اور اس وقت جسمانی کیفیت پر غور کریں، جسم ٹوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ یہ وہی حالت ہے جو تمباکو یا افیون پینے والے کی ہوتی ہے۔

یہ بات میں نے ایسے ہی نہیں لکھ دی، مضمون لکھنے سے پہلے اس کا تجربہ کیا۔ کسی واقف کار نے مجھے نیچا دکھانے کی کوشش کی۔ میں نے سوچا کسی کو نہیں بتاؤں گا کہ اس نے کیا کہا ہے کیوں کہ اس سے کم زوری ظاہر ہوتی ہے کہ میرا ریموٹ دوسرے کے ہاتھ میں ہے۔ ذکر نہیں کروں گا تو کل کو ناخوش گوار بات کو نظر انداز کرنے میں آسانی ہوگی لیکن اگر آج بتادیا تو پھر خود پر زیادہ محنت کرنا ہوگی۔ عموماً میں گھر میں بتاتا ہوں کہ آج کیا ہوا، کس سے ملا، کون سی بات بری لگی اور کس بات نے متاثر کیا۔ خیر — بار بار خیال آیا کہ بتادوں فلاں نے یہ کہا، اس کی سوچ کتنی سطحی ہے، وہ اپنے آپ کو برتر سمجھتا ہے۔ پھر خود کو یہ کہہ کر روک دیتا کہ اگر اس کی سوچ سطحی ہے تو بات بتادینا کیا میرے سطحی کردار کو ظاہر نہیں کرتا —؟

ادراک ہوا کہ ہاں اور ناں کی کشمکش جسم پر اثر انداز ہورہی ہے۔ عادت بات کہنے پر مجبور کررہی ہے اور ارادہ تلقین کررہا ہے کہ جو عزم کرلیا ہے اس کے تقدس کا خیال رکھو۔ مجھے لگا کہ میں نشہ باز ہوں، کشمکش میں جسم ٹوٹ رہا ہے یہاں تک کہ میں ایک سے زائد بار بات کھولنے کے دہانہ تک پہنچا اور پھر خود کو روکا۔ بہرحال میں نے بات نہیں بتائی۔ مضمون لکھنے تک تو بالکل نہیں بتائی اور آگے بھی یہی کوشش ہے، انشاءاللہ۔

قارئین! میرے الفاظ پڑھئے، کشمکش — کوشش — ٹوٹنا — تکرار — مجبوری — یہ سب کیا ہے؟

کیا یہ نشہ کی علامات نہیں ہیں —؟

مجھے خود کو روکنے کے لئے کوشش کرنا پڑ رہی ہے۔

میں کشمکش میں ہوں اور یہ کشمکش مجھے توڑ رہی ہے۔

میں بتانے پر مجبور ہوں لیکن ارادہ کہتا ہے کہ نہیں!

اگر عادت نشہ نہیں ہے تو ایک بار کہہ دینا کافی ہے۔

لیکن رکئے — غور کیجئے۔

ایک بار ارادہ کرکے اس پر قائم رہنا بھی عادت ہے اور یہ عادت بری عادات سے محفوظ رکھتی ہے۔

ہمیں عادتوں کی اتنی عادت ہے کہ کلاس میں بیٹھنے کی جگہ تبدیل ہوجائے تو ذہن قبول نہیں کرتا، پرانی کلاس نئی لگنے لگتی ہے۔ معمول سے ہٹ کر لباس یا رنگ پہنیں تو اپنا آپ نیا لگتا ہے۔ مخصوص گلاس میں پانی پئیں، گلاس بدل جائے تو ذہن محسوس کرتا ہے۔ سونے کا کمرا یا مقام تبدیل ہوجائے تو دیر سے نیند آتی ہے یا پھر بقول مرزا غالبؔ،

موت کا ایک دن مقرر ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

جوتا بدلنے سے چال بدل جاتی ہے۔ میک اپ کرنے والے کو بغیر میک اپ کے چہرہ اچھا نہیں لگتا اور دیکھنے والوں کو ایسا شخص بیمار لگتا ہے۔ کچھ دنوں بعد دونوں کو عادت ہوجاتی ہے — اب چہرہ پھیکا ہے نہ بیمار۔ یہ مثال متوجہ کرتی ہے کہ ہم عادت کے فریم ورک میں لوگوں کو دیکھتے اور حالات کا تجزیہ کرتے ہیں۔

بعض عادتیں ذہنی الجھنوں کی پیداوار ہیں۔ایسے لوگوں سے ہمارا سابقہ پڑتا ہے جو ہاتھوں، پیروں اور آنکھوں کو لایعنی حرکت دیتے ہیں۔ یہ ذہنی کشمکش کی طرف اشارہ ہے۔ راستہ میں بڑبڑاتے ہوئے چلنا، محفل میں سنجیدگی اور پھر چند وقفوں کے بعد خوب کھل کھلا کر ہنس دینا، ناک بھوں چڑھانا حتیٰ کہ اپنے منہ میاں مٹھو بننا اور اس قسم کی دوسری عادات ذہنی کشمکش کی آئینہ دار ہیں۔اسی طرح حقہ اور سگریٹ نوشی ذہنی عیاشی ہے جن کا مقصد آسودگی سمجھا جاتا ہے۔

اکتاہٹ وگھبراہٹ بھی ایک عادت ہے مگر زیادہ تر ان لوگوں سے منسوب ہے جن کو ہم عشاق کہتے ہیں۔

بے چین بہت پھرنا گھبرائے ہوئے رہنا
اک آگ سی جذبوں کی دہکائے ہوئے رہنا
چھلکائے ہوئے چلنا خوش بو لبِ لعلیں کی
اک باغ سا ساتھ اپنے مہکائے ہوئے رہنا
اس حسن کا شیوہ ہے جب عشق نظر آئے
پردہ میں چلے جانا شرمائے ہوئے رہنا
اک شام سی کر رکھنا کاجل کے کرشمے سے
اک چاند سا آنکھوں میں چمکائے ہوئے رہنا
عادت ہی بنالی ہے تم نے تو منیر اپنی
جس شہر میں بھی رہنا اکتائے ہوئے رہنا

عادت کی وجہ سے مرکزیت پیدا ہوتی ہے۔فرد عادت کے برخلاف چیزیں دیر سے قبول کرتا ہے، وہ بھی اس وقت جب ان کی عادت ہوجائے۔

تعلیم کا بنیادی مقصد کیا ہے اور کیا اس کا عادت سے تعلق ہے — ؟ عادت کے ایک معنی تابع ہونے کے ہیں۔تعلیم کا مقصد اعصابی نظام کو تابع کرنا ہے، خود اعصابی نظام کے تابع ہونا نہیں ہے۔

جتنے مادی علوم ہیں، تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کے تابع ہیں۔اتباع بری بات نہیں ہے مگر یہ بھی تو دیکھیں کہ ہم نے خود کو کس کا تابع کرلیا۔ اس چیز کا جو ہم نے خود بنائی ہے اور اب اس کے بغیر مجبور ولاچار ہیں — ؟

کمپیوٹر یا لیپ ٹاپ کی ایجاد کے بعد دنیا کا نظام اس کے تابع ہے۔ایک دن توانائی کی فراہمی معطل ہوتو معیشت رک جائے گی اور کمپیوٹر یا اس قبیل کے دیگر آلات کی حیثیت کچھ نہیں رہے گی۔

مادی علوم کے برعکس علم کا ایک شعبہ وہ ہے جو آگہی دیتا ہے کہ انسان کا ذہن کمپیوٹر سے تیز ہے۔یہ شعبہ شے یا علم کو فرد کے تابع کرتا ہے اور ہم اسے روحانیت کے نام سے جانتے ہیں۔

آدمی کے مزاج میں ایک جگہ ٹھہرنا نہیں ہے۔یہی عادت باغِ رضواں کو چھوڑنے کا سبب بن گئی۔اسے ہر وقت کچھ نہ کچھ نیا چاہئے۔ جنت کی فضا میں معلوم نہیں کتنے دن گزارے، آسائشوں سے دل گھبرا گیا تو زمین پر آکر مشقت کی زندگی اختیار کرلی۔اب پھر وہ جنت میں جانے کے لئے پر تول رہا ہے لیکن عادتیں

ایسی ہیں کہ اگر وہاں پہنچ بھی گیا تو معلوم نہیں کچھ دن رہ کر یہ کہتے ہوئے واپس آجائے کہ،

اے میرے ہم نشیں چل کہیں اور چل
اس چمن میں اب اپنا گزارہ نہیں

اسماعیل میرٹھی صاحب نے آدم کی جبلت اور اچھی عادتوں کو اپنانے کا ذکر اپنے کلام میں بخوبی کیا ہے۔ آپ بھی پڑھئے۔

ذرا غم زدوں کے بھی غم خوار رہنا
کریں ناز تو ناز بردار رہنا
فراخی و عسرت میں شادی و غم میں
بہرحال یاروں کے تم یار رہنا
سمجھ نردباں اپنی ناکامیوں کو
کہ ہے شرط ہمت طلب گار رہنا
کرو شکر ہے یہ عنایت خدا کی
بلاؤں میں اکثر گرفتار رہنا
اگر آدمی کو نہ ہو مشغلہ کچھ
بہشت بریں میں ہو دشوار رہنا
خبر بھی ہے آدم سے جنت چھٹی کیوں
خلاف جبلت تھا بے کار رہنا

عادتیں اجتماعی ہوتی ہیں اور انفرادی بھی۔ دراصل انفرادی عادت بھی اجتماعیت کی پیداوار ہے کیوں کہ اجتماعیت سے متاثر ہوکر ہی تو فرد نے عادت اختیار کی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شہر کا اپنا رنگ اور مزاج ہے۔ عادت پر اسی طرح کی ایک نظم حافظہ میں ہے جس میں رویوں کی عکاسی ہے۔

عادت ہی بنالی ہے اس شہر کے لوگوں نے
انداز بدل لینا، آواز بدل لینا
دنیا کی محبت میں، اطوار بدل لینا
موسم جو نیا آیا، رفتار بدل لینا
اغیار وہی رکھنا، احباب بدل لینا
عادت ہی بنالی ہے اس شہر کے لوگوں نے
رستے میں اگر ملنا، نظروں کو جھکا لینا
آواز اگر دے دو، کترا کے نکل جانا
ہر اک سے جدا رہنا، ہر اک سے خفا رہنا
ہر اک کا گلہ کرنا
جاتے ہوئے راہی کو منزل کا پتا دے کر
رستے میں رلا دینا
عادت ہی بنالی ہے اس شہر کے لوگوں نے
اک کھیل سمجھ لینا، شدت کی محبت کو
جب چاہا چلے آنا، جب چاہا چلے جانا
عادت ہی بنالی ہے اس شہر کے لوگوں نے

عادت کے معنی کسی کام کو مستقل کرنے کے ہیں کہ پھر عمل غیر ارادی بن جائے۔ ہم وہی ہیں، جس کی تکرار کرتے ہیں۔ بری عادتوں کو ترک کرنے کے لئے اچھی عادتیں اپنائیں۔ جن لوگوں کے درمیان ہم رہتے ہیں وہ ہمارے رویوں پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ہم ان کے رویوں کو متاثر کرتے ہیں لہٰذا نقصان سے بچنے کے لئے نقصان پہنچانے سے گریز کیجئے۔

یاد رکھئے! عادت کا تعلق تربیت سے ہے۔ اس کی

داغ بیل گھر میں پڑتی ہے۔اماں ابا اور گھر کا ماحول بچہ کی شخصیت کو بنانے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔

بعض گھروں میں مہمان نوازی کو پسند کیا جاتا ہے اور مہمان کو کھانا کھلائے بغیر جانے نہیں دیتے۔ بچہ اس رنگ کو اپناتا ہے اور مہمان نواز بن جاتا ہے۔بعض والدین گھر میں مہمانوں کا آنا جانا پسند نہیں کرتے ،من وعن یہ عادت ان کے بچوں میں پائی جاتی ہے ۔ جو تربیت کی جاتی ہے، وہ عادت بن جاتی ہے۔

تجربات کرنے چاہئیں۔ سننے کا وہ اثر نہیں جو تجربہ کا ہے۔بچہ ایک بات بار بار سنتا ہے ــــ عمل نہیں کرتا۔ عمل کب کرتا ہے ــــ؟ جب اماں ابا کو، بہن بھائی کو، دادا دادی کو، نانا نانی کو، پھوپھی خالہ، چچا یا ماموں کو کرتے دیکھتا ہے۔ان سے متاثر ہوکر وہ تجربہ کرتا ہے اور اپنے ماحول کی تصویر بن جاتا ہے۔

بعض اوقات شدت سے محسوس ہوتا ہے کہ ہم عادتوں کے غلام ہیں۔طفولیت سے لے کر شباب تک اور شباب سے کباب بن جانے تک عادتوں کا کردار اہم ہے اسی لئے دانا لوگ تربیت پر زور دیتے ہیں۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ بچہ کے سامنے کوئی برا لفظ نہ بولو۔ لفظ نقش ہوتا ہے اور نقش عادت بن جاتا ہے۔

بچہ کو آواز دیں، وہ کہتا ہے ــــ ہاں۔

سوال پوچھیں، جواب دیتا ہے ــــ ہاں۔

اماں ابا کو ناگوار گزرتا ہے کہ بچہ ہاں کے بجائے جی کیوں نہیں کہتا۔ وہ سمجھاتے ہیں کہ بیٹا! ہاں نہیں ــــ جی کہتے ہیں۔ہاں کہنا بری بات ہے۔اس دوران دوسرے بچہ نے پوچھا، اماں! کیا کھانا پک گیا ہے ــــ؟

اماں نے جواب دیا، ہاں ــــ پک گیا ہے!

اور روٹی ــــ؟ روٹی تمہارے ابا آج بازار سے لائیں گے۔ ابا وہاں موجود ہیں۔ یہ سن کر کہتے ہیں، ہاں بھئی کیوں نہیں، میں روٹی لے آؤں گا۔

سوال یہ ہے کہ بچہ کو ہاں کہنا کس نے سکھایا؟

ایک بار پھر خواب دیکھا

ایک شخص روزانہ دعا کرتا کہ وجدان وآگہی مل جائے۔ایک روز خواب دیکھا کہ وہ جنگل میں جارہا ہے۔خواب کی پیروی میں علی الصبح جنگل میں گیا۔ کافی دیر گھومنے کے بعد ایک جگہ ستانے کے لئے بیٹھا تو درخت کے نیچے لنگڑی لومڑی نظر آئی۔تجسس ہوا کہ اس کے رزق کا بندوبست کیسے ہوتا ہے؟ تھوڑی دیر بعد منہ میں شکار لئے شیر آیا۔ضرورت کی خوراک کھائی اور باقی گوشت وہیں چھوڑ کر چلا گیا۔اس شخص نے کہا، اچھا تو یہ ہے کامیابی کا راز، جدوجہد کی ضرورت نہیں، اللہ پر توکل کر کے ایک جگہ بیٹھ جاؤ، لومڑی کو خوراک ملی، مجھے آگہی مل جائے گی۔ تین دن گزر گئے، آگہی تو دور کی بات، بھوک پیاس سے برا حال ہوگیا۔غنودگی بڑھی تو اس نے ایک اور خواب دیکھا ــــ آواز آئی، ''اے بے وقوف جانور! شیر بن شیر، لومڑی نہ بن! آگہی اسے ملتی ہے جو رزق میں دوسروں کا حصہ رکھتا ہے اور خدمت کو شعار بناتا ہے۔''

نعیم قریشی

پرندوں کا روزہ

ایک پرندہ نو دن کی مسلسل پرواز کے بعد مغربی الاسکا سے نیوزی لینڈ پہنچا۔ اس نے بغیر کھائے پیئے تقریباً 11680 کلومیٹر کا فاصلہ طے کیا۔ یہ پرندوں کی دنیا میں بغیر رکے پرواز کا ریکارڈ ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایتھلیٹ 70 کلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار سے سات دن رات مسلسل دوڑتا رہے۔

کائنات میں بیش تر مخلوقات زیادہ وقت باطن میں گزارتی ہیں۔ ایک مثال پہاڑ کی ہے جو خشکی اور پانی دونوں میں موجود ہے۔ جسامت کے لحاظ سے مخلوقات میں سب سے بڑا جم پہاڑ کا ہے۔ ابدالِ حق فرماتے ہیں کہ پہاڑ پندرہ منٹ میں ایک سانس لیتا ہے۔ اس دورانیہ سے سانس کی گہرائی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

سرد و برفانی علاقوں میں رہنے والی گلہریاں آٹھ ماہ کی طویل نیند سوتی ہیں۔ آٹھ ماہ کی نیند سے مراد آٹھ ماہ ظاہری حواس کا ترک اور باطنی حواس کا ادراک ہے۔ ان کی سماعت و بصارت کی صلاحیت گرم علاقوں میں رہنے والی گلہریوں سے زیادہ ہوتی ہے۔

ان کے علاوہ گھونگے، سالمون مچھلی، ریچھ، کچھوے، ریشم کا کیڑا، بھونرے وغیرہ بھی ظاہری حواس کے ترک کے پروگرام پر عمل کرتے ہیں۔ ترک کا یہ پروگرام ایک حد تک عمر میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔ ایسے حیوانات انتہائی سخت موسم اور غذائی قلت کے مہینوں میں قلیل غذا کھانے کے باوجود صحت مند اور تن درست رہتے ہیں۔ ان کی صلاحیت اپنی نوع کی دیگر اقسام سے زیادہ ہوتی ہے۔

پرندوں میں بھی ایسی اقسام ہیں جن کے معمولات پر غور کرنے سے ظاہری حواس سے ترک کے قانون کی نشان دہی ہوتی ہے۔ عام طور پر ساری مخلوق کسی نہ کسی حد تک اس قانون پر عمل کرتی ہے۔ جس وقت وہ باطن کی طرف متوجہ ہوتی ہیں، یہ ظاہر کا ترک ہے اور جس وقت وہ ظاہر پر مرکوز ہوتی ہیں، یہ باطن کا ترک ہے۔ دونوں صورتوں میں زندگی ترک میں گزرتی ہے۔ تحریر میں اس قانون کو اس لئے واضح کیا گیا ہے کہ ظاہری حواس سے ترک کا تعلق باطن سے ہے اور روزہ میں اسی کی مشق ہوتی ہے۔

آدمی کی طرح دوسری مخلوقات بھی روزہ رکھتی ہیں، ان میں ایک مخلوق پرندے ہیں۔ پرندے جب انڈے

سیتے اور نوزائیدہ بچہ کی دیکھ بھال کرتے ہیں، جب ان کے پر جھڑتے (Molting) ہیں اور جب وہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر ہجرت کرتے ہیں تو خاص وقت تک کھانے پینے سے رکے رہتے ہیں۔

ایک وجہ غذا کا فی الوقت میسر نہ ہونا ہے۔ دوسری وجہ غذا کی تلاش کے لئے نکلنا ممکن نہ ہونا اور تیسری وجہ یہ ہے کہ طویل سفر تیزی سے طے کرنے کے لئے کم کھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ایسے میں ان کے جسمانی نظام میں وہی کیمیائی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں جو آدمی کے جسم میں روزہ کے دوران ہوتی ہیں۔ کیمیائی تبدیلیوں کے اثرات روحانی زندگی پر پڑتے ہیں، صلاحیت کو جلا ملتی ہے اور حواس کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔

انڈا سینے اور نوزائیدہ کی دیکھ بھال کے عمل کو حضانت کہتے ہیں۔ براعظم انٹارکٹیکا میں بسنے والا پرندہ شہنشاہ پینگوئن حضانت کے لئے تقریباً 80 دن رات کے طویل دورانیہ سے گزرتا ہے۔ چار فٹ قد رکھنے والا یہ پینگوئن دور سے آدمی جیسا لگتا ہے۔ شہنشاہ پینگوئن کا قد تین سے چار فٹ اور وزن 23 سے 45 کلوگرام تک ہوتا ہے اور اوسط عمر 20 برس ہے۔

انٹارکٹیکا میں درجہ حرارت منفی 40 درجہ سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے، تیز ترین یخ بستہ ہوائیں چلتی ہیں جن کی رفتار 200 کلومیٹر فی گھنٹے تک ہوتی ہے۔

مارچ اور اپریل میں یہاں موسم سرما کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہ نر اور مادہ پینگوئن کے ملاپ کا موسم ہے۔ مئی یا جون میں مادہ صرف ایک انڈا دیتی ہے جس کا وزن آدھا کلو (465 گرام) ہوتا ہے۔ انڈے کا خول پانچ انچ لمبا اور تین انچ چوڑا ہوتا ہے تاکہ ٹوٹنے کا خطرہ نہ رہے۔ برف کے صحرا انٹارکٹیکا میں غذا کا ذریعہ سمندر ہے۔ شہنشاہ پینگوئن سمندر میں 1750 فٹ گہرائی تک غوطہ لگاتے ہیں اور 18 منٹ تک نیچے رہ سکتے ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب وہ گہرائی میں سانس لیتے ہیں تو یہ دورانیہ اٹھارہ منٹ پر مشتمل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کا جسمانی نظام ایسا بنایا ہے کہ یہ ضرورت پڑنے پر جسں دم کر سکتے ہیں یعنی بہت کم آکسیجن میں گزارا کرتے ہیں۔ ان کی غذا چھوٹی مچھلیاں اور قشری جان دار ہیں۔ مادہ پینگوئن جب انڈا دیتی ہے تو بہت احتیاط سے انڈا نر پینگوئن کے حوالہ کر کے خود ڈھائی ماہ کے لئے سمندر کی طرف غذا کی تلاش میں نکل جاتی ہے۔ ان کی کالونیاں سمندر سے خاصی دور ہوتی ہیں۔

پینگوئن پیروں سے چلتے ہیں اور برف پر پیٹ کے ذریعے پھسلتے بھی ہیں۔ پینگوئن کے لئے غذا کی تلاش میں 500 کلومیٹر کا سفر عام بات ہے۔ کالونی سے کھلے سمندر تک (جہاں شکار مل سکے) لگ بھگ 100 کلو میٹر کا فاصلہ ہوتا ہے۔ یہ گلیشیئر اور برفانی پہاڑوں کے سائے تلے کالونیاں بناتے ہیں تاکہ تیز یخ بستہ ہواؤں سے کم سے کم متاثر ہوں۔

مادہ پینگوئن انڈے کو نر پینگوئن کو منتقل کرتے وقت خیال رکھتی ہے کہ انڈا زمین پر نہ گرے۔ ورنہ سطح زمین کے شدید سرد درجہ حرارت کے سبب انڈے میں موجود بچہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ مادہ کی غیر حاضری کے دوران نر انڈے کو تقریباً 80 دن تک سیتا ہے۔

نر کے پیٹ کے نچلے حصہ میں کھال سے ایک پاؤچ (pouch) سا بنا ہوتا ہے جس میں وہ انڈا رکھ لیتا ہے اور دونوں پاؤں سے انڈے کو تھامے رکھتا ہے تاکہ انڈے کو بدن کی گرمی ملتی رہے۔ انڈے سے بچہ نکلنے کے ایک ہفتہ بعد مادہ شکار سے واپس آجاتی ہے۔

پینگوئن کے جسم کا درجہ حرارت 102 فارن ہائیٹ ہے یعنی آدمی سے پانچ درجہ زیادہ گرم۔ انٹارکٹیکا کے سرد ترین موسم میں اس درجہ حرارت کا برقرار رہنا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی صناعی ہے۔

ملاپ کے موسم اور انڈے سینے کے دوران نر پینگوئن چار ماہ تک کالونی سے باہر نہیں نکلتا۔ اسے کوئی غذا نہیں ملتی کیوں کہ کالونی سمندر سے دور ہوتی ہے۔ اس کا وزن 38 کلوگرام سے گھٹ کر محض 18 کلوگرام رہ جاتا ہے۔ نر کا ملاپ کے لئے مادہ کے ساتھ 40 دن تک کالونی میں رہنا، مادہ کا انڈا دیتے ہی شکار کو چلے جانا پھر نر پینگوئن کا انڈے کو سینا، انڈے سے بچہ کا نکلنا، انڈے کا خول سخت ہونے کی وجہ سے بچہ کو نکلنے میں دو تین دن لگتے ہیں۔ ان مراحل کے لئے نر پینگوئن کو مسلسل 120 دن تک بھوک سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ اس کا خوراک سے ترک ہے۔

آبی بطخ لم ڈھینگ (Godwit) کی ایک قسم Bar-tailed Godwit حیرت انگیز ہے۔ لمبائی قریباً سولہ انچ اور پروں کا پھیلاؤ 31 انچ تک ہے۔ یہ پرندہ شمالی نصف کرہ میں آئس لینڈ، الاسکا اور گرین لینڈ میں گھر بناتا اور نسل کی افزائش (breeding) کرتا ہے۔ سردی شروع ہوتی ہے تو یہ طویل ترین اڑان کر کے جنوبی نصف کرہ میں نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا کے ساحلی علاقوں پر اترتا ہے۔

جنوبی نصف کرہ میں موسم گرما ستمبر کے بعد شروع ہوتا ہے۔ یہاں موسم گرما گزار کر آبی بطخ مارچ میں دوبارہ شمال میں اپنی کالونیوں کی طرف اڑ جاتی ہے۔

آبی بطخ لم ڈھینگ پرواز کے دوران بحرالکاہل کا وسیع و عریض سمندر عبور کرتی ہے۔ درمیان میں کہیں آرام کرنے یا کھانے پینے کے لئے نہیں رکتی۔

ایک تجربہ کے دوران ان پرندوں کے بدن سے ٹریکنگ ڈیوائس لگائی گئی اور سیٹلائٹ کی مدد سے ان کی پرواز کا ریکارڈ رکھا گیا۔ مشاہدہ ہوا کہ ایک پرندہ نو دن کی مسلسل پرواز کے بعد مغربی الاسکا سے نیوزی لینڈ پہنچا۔ اس نے بغیر کھائے پیئے تقریباً 11680 کلومیٹر کا فاصلہ طے کیا۔ یہ پرندوں کی دنیا میں بغیر رکے پرواز کا ریکارڈ ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایتھلیٹ 70 کلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار سے سات

دن رات مسلسل دوڑتا رہے۔

تیز رفتار پرواز کے لئے خاص توانائی درکار ہے۔ ایسے میں آبی بطخ لم ڈھینگ جسم میں موجود توانائی کے ذخائر (چکنائی اور لحمیات) پر انحصار کرتی ہے۔ ایک روزہ دار بھی روزہ کے دوران اسی عمل سے گزرتا ہے۔

غوطہ خور پرندوں بطریل کی ایک قسم جل چیر (Shearwater) ہے۔اس کی پرواز سب سے الگ ہے۔ یہ دائیں اور بائیں پر کے کناروں سے باری باری پانی کو چیرتا ہوا سطح سمندر کے بالکل اوپر اڑتا ہے۔ اس وجہ سے نام جل چیر (Shearwater) ہے۔

جل چیر کی لمبائی تقریباً ایک سے ڈیڑھ فٹ اور پروں کا پھیلاؤ تین فٹ تک ہے۔ یہ بحر اوقیانوس کے شمالی علاقوں برطانیہ، آئر لینڈ، آئس لینڈ وغیرہ میں کالونیاں بناتے ہیں۔ جولائی میں موسم سرما کی آمد سے پہلے یہ آبی پرندے کئی ہزار کلومیٹر پرواز کر کے برازیل، ارجنٹائن اور جنوبی افریقہ تک چلے جاتے ہیں۔ جل چیر دوران پرواز اگرچہ ساحلی علاقوں پر رکتے اور تازہ دم ہوتے ہیں لیکن ان کی پرواز کا کل دورانیہ پرندوں میں سب سے زیادہ ہے۔

ایک ہجرت میں تقریباً 14000 کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے والا یہ پرندہ خاصا طویل العمر ہے۔ان میں 50 برس سے زائد عمر کے پرندے دیکھے گئے ہیں۔ ایک اندازہ کے مطابق پچاس سالہ زندگی میں جل چیر پرندہ لگ بھگ 80 ہزار کلومیٹر کا فاصلہ طے کر لیتا ہے۔

اڑنے والے پرندوں میں سب سے بڑا پرندہ قادوس (Albatross) ہے جو کرۂ ارض کے جنوبی حصوں اور بحرالکاہل کے شمال میں ملتا ہے۔ قادوس عمر کا زیادہ حصہ بیچ سمندر میں اڑتے ہوئے گزار دیتا ہے۔ اس کے پر دوران پرواز گلائیڈر کی مانند پھیلے ہوئے ہوتے ہیں جن کا پھیلاؤ 11 فٹ تک ہوتا ہے۔ قادوس صرف افزائش نسل کے لئے ساحل پر آتا ہے۔

سمندر میں رہنے کے لئے قدرت نے اسے حیرت انگیز صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ یہ سمندر کا نمکین پانی پیتا ہے۔اس کی چونچ کے ساتھ ایک غدود پانی سے نمک کو علیحدہ کرتا ہے جو گاڑھے سیال کی صورت میں ناک سے خارج ہو جاتا ہے۔ ان پرندوں میں پروں کو لاک کرنے کا میکانزم ہوتا ہے۔ جب یہ بلندی پر اڑتے ہیں تو عضلات کی مدد سے پروں کو لاک کر دیتے ہیں اور گلائیڈر کی مانند خود کو ہوا کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے ہیں حتیٰ کہ اس حالت میں نیند بھی پوری کر لیتے ہیں۔

قادوس طویل عمر کا پرندہ ہے۔عمر کا دورانیہ زیادہ سے زیادہ 60 برس ریکارڈ کیا گیا ہے۔ ان کو غذا کے حصول کے لئے کالونی سے دور سمندر میں نکلنا پڑتا ہے۔طوفانی ہوا میں بڑے پروں کی وجہ سے یہ ہوا کے مخالف اڑنے کی قوت نہیں رکھتے نتیجتاً کہیں کے کہیں پہنچ جاتے ہیں مگر اپنی کالونیوں کا راستہ نہیں بھولتے۔

قادوس کے انڈے سینے کی مدت 80 دن ہے جو نر و مادہ مل کر باری باری پورا کرتے ہیں۔ ایک فریق سمندر جاتا ہے تو دوسرا اس دوران انڈے سیتا ہے۔ سمندر جانے والے فریق کی واپسی ایک دن سے لے کر تین ہفتے بعد ہوتی ہے، انحصار حالات پر ہے۔

مادہ کے لئے انڈے دینا خاصا توانائی طلب ہے اور وہ کھائے پیئے بغیر یہ فریضہ انجام دیتی ہے۔ تقریباً 83 گرام وزن روزانہ اس کے جسم سے گھٹتا ہے۔

ان کے بارے میں دل چسپ بات یہ ہے کہ نر قادوس کو جوڑا بنانے کے لئے مخصوص رقص اور علامتی زبان سیکھنا ہوتی ہے ورنہ مادہ توجہ نہیں دیتی۔

وہ پرندے جو کالونی سے باہر آوارہ زندگی گزارتے ہیں، جب نسل کی افزائش کے لئے کالونی میں اترتے ہیں تو مادہ کا دل جیتنے میں ناکام رہتے ہیں جب تک کہ رقص کی زبان نہ سیکھ لیں۔ نر اور مادہ قادوس کا رشتۂ زوجیت پائیدار ہوتا ہے اور برسوں تک رہتا ہے۔

پرندوں میں پرانے فرسودہ پروں کے جھڑنے اور نئے پروں کے نکلنے کا عمل مولٹنگ (Molting) کہلاتا ہے۔ اس دوران وہ اڑنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ پرندوں کے پر انہیں سردی گرمی سے بچاتے ہیں اس لئے پروں کے بغیر جسمانی درجۂ حرارت برقرار رکھنے کے لئے خاصی توانائی درکار ہے۔

دوسری طرف نئے پروں کی تشکیل کے لئے کیلشیم پروٹین اور دیگر غذائی اجزا کی ضرورت پڑتی ہے۔ مولٹنگ کے دوران پرندے اپنے جسمانی ذخائر استعمال کرتے ہیں جس سے ان کا وزن گھٹ جاتا ہے۔

پینگوئن کے پر اسے شدید سردی سے بچاتے ہیں اور یخ بستہ پانی میں تیرنے میں مدد دیتے ہیں۔ مولٹنگ کے دوران وہ غذا کی تلاش نہیں کرسکتا اس لئے وہ 34 دن تک روزہ کی حالت میں رہتا ہے۔

مرغابی اور گریب پر جھڑنے کے دوران کم و بیش سات ہفتے تک اڑنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ اس دوران محفوظ زمینی پناہ گاہوں میں رہتے ہیں اور تھوڑی بہت دست یاب غذا پر گزارہ کرتے ہیں۔

نوع کوئی بھی ہو، سب میں یہ عمل کارفرما ہے کہ زیادہ کھانے پینے سے باطنی صلاحیت متاثر ہوتی ہے لیکن اعتدال میں کھانے پینے سے باطن میں موجود صلاحیت کو جلا ملتی ہے۔ زیادہ کھانے والے پرندے بلند پرواز کرتے ہیں نہ ان کی رفتار تیز ہوتی ہے۔

کھانا کیا ہے—؟ ہر وہ شے جو ہم کھاتے ہیں، اس میں خمیر ہے۔ خمیر—تعفن اور سڑاند ہے۔ کم کھانے والے کا خمیر مغلوب رہتا ہے اور ان میں بلند اور طویل پرواز کی سکت بڑھ جاتی ہے۔ پرندوں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ آدمی پرندوں اور حیوانات کی زندگی پر غور کرے تو یہ کائنات عجائبات سے بھرپور ہے اور ان عجائبات کا علم نوع آدم کو عطا کیا گیا ہے۔

مجھے آفتاب مل گیا

سفید چادر سے آراستہ پہاڑوں پر سورج کی پہلی کرن پھیلی ۔ دھند پگھلنے لگی ۔ ہادیہ نے خود سے سوال کیا کہ میرا سورج کہاں ہے، کیا میرا بھی کوئی سورج ہے جس کی روشنی سے میرے دل پر چھائی دھند چھٹ جائے گی — ؟

فجر کے بعد اور مغرب سے پہلے چھت پر چہل قدمی ہادیہ کا محبوب مشغلہ تھا۔ کچھ عرصہ اس معمول میں تعطل آیا لیکن اس نے ہمت کر کے پھر سے چہل قدمی شروع کی ۔صبح کی چہل قدمی کا کوئی مول نہیں۔

آج وہ فجر کے بعد چھت پر آئی ، زبان پر درود شریف کا ورد تھا۔ چہل قدمی کے دوران نظر پہاڑوں کی طرف تھی جنہوں نے شہر کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا۔ یہ چھوٹا سا شہر ایک وادی ہے۔ جب وہ دیوار کے قریب پہنچتی تو پہاڑوں کی ہیئت ، وضع قطع اور اس پر موجود اشجار قدرے واضح ہو جاتے اور جب دیوار سے دور ہوتی ہوئی چھت کے درمیان میں آتی تو نظر محدود ہو جاتی۔

برسات کا موسم ہے۔کئی دنوں سے گاہے بگاہے آسمان پر گھنے اور کبھی ہلکے بادل سفر کر رہے ہیں۔ پہاڑ کئی کلو میٹر کے رقبہ پر پھیلے ہوئے ہیں لیکن دور سے دیکھیں تو چند میٹر پر محیط نظر آتے ہیں ۔ برسات کے دنوں میں دائیں طرف کے پہاڑوں پر ہلکی دھند چھائی ہوئی ہے جب کہ بائیں طرف کے پہاڑ نظروں سے اوجھل ہیں ۔ ہادیہ نے سوچا کہ یہ کیسا دبیز پردہ ہے جس نے عظیم الجثہ اجسام کو چھپا دیا گویا وہ موجود ہی نہ ہوں — ؟ تھوڑی دیر بعد دھند کم ہونا شروع ہوئی، اب جو پہاڑ چھپا ہوا تھا وہ ظاہر ہوا، دوسرا پہاڑ چھپ گیا۔ ہادیہ کو قرآن کریم کی آیات یاد آئیں،

۱۔ اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔ (الرعد:۳۹)

۲۔ اللہ کو غیب و شہود کا علم ہے۔ (الحشر:۲۲)

۳۔ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (البقرۃ:۲۰)

دھند کی دبیز چادر پورے منظر پر محیط ہو گئی۔ اجنبی یا علاقہ سے ناواقف شخص کو شائبہ تک نہیں ہوگا کہ بادلوں کی چادر کے پیچھے بلند و بالا پہاڑ ایستادہ ہیں۔

ہادیہ نے سوچا کہ یہ کیسی چادر ہے جس میں ہر منظر چھپا ہوا ہے — ؟ وہ سائنس کی طالبہ تھی، اس نے تجزیہ

کرنا شروع کیا کہ اس چادر میں،

۱۔ بخارات ہوں گے۔

۲۔ ہوا ہوگی — ہوا مختلف گیسوں کا آمیزہ ہے۔

مثلاً آکسیجن، نائٹروجن، ہائیڈروجن، ہیلیم وغیرہ۔

۳۔ مٹی اور گرد و غبار کے ذرّات ہوں گے۔

۴۔ دھواں ہوگا اور اس میں کچھ زہریلی گیسیں ہوں گی۔

۵۔ کچھ حدت اور کچھ ٹھنڈک ہوگی۔

اور کیا ہوگا — ؟ کافی دیر سوچنے کے باوجود مزید اجزائے ترکیبی ذہن میں نہیں آئے۔ یقیناً دھند محض چند اجزا کا مرکب نہیں ہوسکتی۔ دھند فطرت کا ایک مظاہرہ ہے۔ اس مظہر کا خالق اللہ تعالیٰ جب حکم دے گا تو یہ ہٹ جائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ میں اپنے اندر دبیز گھٹا کی فکر کروں اور سوچوں کہ ان میں زیادہ کثیف اور گہری چادر کون سی ہے — ؟

ہادیہ کا دل یک دم بوجھل ہوگیا۔ اضمحلال اور پریشانی سے چہرہ کے تاثرات تبدیل ہوگئے۔ تصور کی آنکھ نے دیکھا کہ دل پر چھائی دھندلی تہ نفرت، ضد، حسد، انتقام، انا، تکبر، خود پسندی، اقتدار، شہرت، ناانصافی، ظلم، خودغرضی اور نہ جانے کتنے عوامل سے بنی ہوئی تھی۔ مزید دیکھنے کی ہمت نہیں ہوئی اور اس نے نظریں چرالیں۔ ہادیہ خود سے گویا ہوئی کہ میرے دل کی دھندلی چادر تو بے شمار چیزوں سے بھری پڑی ہے۔ اس کی کثافت اور تہوں کا عالم کیا ہوگا — ؟ ہر برائی کی ایک تہ تھی اور تمام برائیاں تہ در تہ پیوستہ تھیں۔

سوالات نے ذہن کو آکٹوپس کی طرح جکڑ لیا۔

۱۔ کیا کوئی منظر اس دھند میں اصل نظر آئے گا؟

۲۔ یہ تہیں کیسے ہٹیں گی؟

۳۔ میں خود کو حقیقت پسند سمجھتی ہوں، کیا میں حقیقت سے واقف ہوں؟

ہادیہ کو اللہ سے بہت محبت تھی، وہ اللہ سے واقف ہونا چاہتی تھی، جاننا چاہتی تھی کہ اسے کس نے تخلیق کیا ہے۔ فیصلہ کیا کہ مجھے اس دھند سے نکلنا ہے۔ نیت کرتے ہی اضطراب کی جگہ سکون نے لے لی۔ عزم سے فضا میں پھیلی سفید دبیز چادر کو دیکھا تو اس مرتبہ ہر شے مختلف نظر آئی۔ بے حسی کی جگہ ہم دردی آگئی، نفرت کی جگہ الفت نے لے لی، ناخوشی ہٹنے سے خوشی نے رقص کیا اور مایوسی امید میں بدل گئی۔

سفید چادر سے آراستہ پہاڑوں پر سورج کی پہلی کرن پھیلی۔ دھند چھٹنے لگی۔ ہادیہ نے خود سے سوال کیا کہ میرا سورج کہاں ہے — ؟ کیا میرا بھی کوئی سورج ہے جس کی روشنی سے میرے دل پر چھائی دھند چھٹ جائے گی — ؟

دن گزرتے رہے اور ہادیہ کی جستجو میں اضافہ ہوتا رہا۔ چہل قدمی کے دوران کبھی زبان پر درود شریف جاری ہوجاتا اور کبھی قرآن کی کوئی آیت۔ وہ پوری توجہ سے ورد کرتی اور محسوس ہوتا کہ دل کی آواز پہاڑوں میں گونج بن گئی ہے۔ پہاڑ بھی اس کے ساتھ عبادت میں

شریک اللہ اور اس کے محبوبؐ کا ذکر کر رہے ہیں۔

ہادیہ کی بے قراری بڑھ گئی تھی۔ وہ روشنی کی منتظر تھی جس کے داخل ہونے سے دل پر چھائی دھند چھٹ جائے — اور پھر ہادیہ کو اپنا راستہ مل گیا۔ درود شریف کے ورد کے دوران جب اس نے نظر اٹھا کر بادلوں سے گھری پہاڑ کی چوٹی کی طرف دیکھا تو نظر کے سامنے جلی حروف میں لکھا تھا.....

تمہارا آفتاب — آفتاب عالمؐ

دھند نے روشنی کو سجدہ کیا اور آناً فاناً فضا میں تحلیل ہوگئی۔ نورانی فضا میں ہادیہ کے اندر موجود بصیرت روشن ہوئی اور اس نے دیکھا کہ پیارے رسولؐ، آفتاب عالمؐ، اللہ کے محبوب حضرت محمدؐ کا نور آب و تاب کے ساتھ تمام عالم کو منور کر رہا ہے۔ نور کے گرد پروانے خود کو جاں نثار کرنے کے لئے بے تاب ہیں اور دیوانہ وار اس جانب لپک رہے ہیں۔

ہر پروانہ اپنی ذات میں انجمن ہے۔ ان کی جاں نثاری میں بے تابی ہے اور خود کو نثار کر دینے کی خواہش میں ٹھہراؤ ہے۔ سکون اور اطمینان، نظم و ضبط اور کبھی نہ ختم ہونے والی دیوانگی — پروانے عظیم الشان قافلہ کی صورت میں آگے بڑھتے ہیں، ان پر رعب طاری ہے مگر کوئی قوت انہیں اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔

عالمین کے آفتابؐ کی قربت، انسیت اور رحمت نے ہر جاں نثار کو آفتاب کی مانند بنا دیا ہے۔ پروانوں کے نام تو الگ الگ ہیں لیکن محور و مرکز، مقام اور زندگی کا نصب العین ایک ہے۔ آفتاب عالمؐ کی روشنی میں جینا اور ان کی حیات طیبہؐ پر عمل کرتے ہوئے بالآخر خود کو اس راہ میں فنا کر دینا۔

ایک لمحہ کو ہادیہ کے قدم ڈگمگائے لیکن کسی نے ہاتھ تھام لیا — آہ! یہ کیسی ٹھنڈک سی دل میں اتر گئی۔

ہادیہ اس ٹھنڈک کی تاب نہ لا سکی۔

اگلے روز موسم قدرے تبدیل ہوگیا تھا اور ہادیہ کا دل بدل بھی گیا تھا۔ خیال تھا کہ آج بھی گزرے کل جیسا منظر ہوگا لیکن کل — آج میں داخل ہوگئی تھی۔ بادل کسی دوسرے مقام کی طرف چلے گئے۔ دھند چھٹ چکی تھی، مطلع صاف تھا۔ محسوس ہوا کہ جو ذمہ داری دھند کے سپرد کی گئی تھی وہ اس نے انجام دے دی ہے۔ یقیناً آج اس کا رخ کسی اور مقام کی جانب ہے جہاں اس سے کسی اور کو متوجہ کرنے کا کام لیا جائے گا۔

دھند کیا ہے —؟ بظاہر گیسوں کا مجموعہ ہے لیکن ہمارے اردگرد پھیل کر یہ ہمیں ہمارے اندر کی دھند کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ دھند اس وقت چھٹتی ہے جب اسے تفکر اور محبت کی حرارت ملتی ہے۔ یہ دھند باہر نہیں، ہمارے اندر، ہماری سوچ پر غالب ہے۔ دھند کے دبیز پردے سوچ سے ہٹتے ہیں تو حقیقت واضح ہوتی ہے اور منزل پر پہنچنے کے لئے راستہ ملتا ہے۔

کسی شخص کو کائنات کے سربستہ رازوں میں پنہاں انتہائی چھوٹی سی حقیقت کا بھی ادراک ہو جائے تو اس کا

دل بے پایاں محبت سے لبریز ہوجاتا ہے اور اس محبت سے وہی واقف ہے جسے مشاہدہ عطا ہوا ہے۔ دل میں حقیقت کی لگن پیدا ہوجائے تو یہ اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔ تب ہی تو حق آشنا لوگ دنیا کی چکا چوند سے متاثر نہیں ہوتے اور اسے دھندگردانتے ہیں۔

ہادیہ کے لئے اپنے شہر کا منظر بدل گیا تھا۔ وہ بادلوں کی اوٹ سے ظاہر ہوتی روشنی کی کرنیں دیکھ چکی تھی۔ عبادت میں سرور اور ذکر میں یک سوئی پیدا ہوگئی تھی۔ آسمان پر آفتاب کو دیکھ کر وہ اپنے آفتاب کی تلاش میں تھی۔ راستہ مل گیا تھا لیکن منزل نہیں معلوم کتنی دور یا قریب تھی۔ جس طرح اس نے باہر دھند ہٹنے کا مشاہدہ کیا تھا، اسی طرح وہ اپنے اندر سے بھی دھند ہٹنے کا مشاہدہ کرنا چاہتی تھی۔ اس نے صبح کی عبادت اور چہل قدمی کا معمول جاری رکھا۔ فجر کے وقت اٹھتی، نماز کے بعد قرآن پڑھتی اور پھر چھت پر آجاتی۔ اسباق میں تسلسل سے ایک روز ہادیہ کی خواہش پوری ہوگئی۔ مراقبہ میں دیکھا کہ،

''سنہرے حروف سے نبی پاکؐ کا نام جگ مگا رہا ہے۔ اس نام سے سنہری تاریں نکل رہی ہیں اور اس کے دل میں داخل ہورہی ہیں۔''

خوشی قابل دید اور چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

اسے اپنا آفتاب مل گیا تھا۔

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمد وسلم

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمد وسلم

بے کراں خلا

ذرا بتلا، زماں کیا ہے مکاں کے اس طرف کیا ہے
اگر یہ سب گماں ہے تو گماں کے اس طرف کیا ہے

اگر پتھر سے بکھرے ہیں تو آخر یہ چمک کیسی
جو مخزن نور کا ہے کہکشاں کے اس طرف کیا ہے

یہ کیا رستہ ہے آدم گامزن ہے کس مسافت میں
نہیں منزل تو پھر اس کارواں کے اس طرف کیا ہے

عجب پاتال ہے دروازہ و دیوار سے عاری
زمیں اندر زمینِ بے نشاں کے اس طرف کیا ہے

تہِ آبِ رواں سنتا ہوں یہ سرگوشیاں کیسی
سکونت کس کی ہے اور آستاں کے اس طرف کیا ہے

سمجھتے آرہے تھے جس خلا کو شہر گم گشتہ
وہ شے کیا ہے خلائے بے کراں کے اس طرف کیا ہے

نہیں کھلتا کہ آخر یہ طلسماتی تماشا سا
زمین کے اس طرف اور آسمان کے اس طرف کیا ہے

ذرا بتلا، زماں کیا ہے مکاں کے اس طرف کیا ہے
اگر یہ سب گماں ہے تو گماں کے اس طرف کیا ہے

یہ کیا رستہ ہے آدم گامزن ہے کس مسافت میں
نہیں منزل تو پھر اس کارواں کے اس طرف کیا ہے

(کلام: اعجاز گل)

گونگے بہرے اندھے

ایم بی اے کر کے یہاں آپ ٹیکسی چلائیں گے تو لوگ باتیں بناتے ہیں۔ یہ رویہ ترقی یافتہ ممالک میں نہیں ہے۔ وہاں ہنر اور محنت کو اولیت دی جاتی ہے۔

جب کوئی ادارہ قائم ہوتا ہے تو مقاصد اور قواعد مقرر کئے جاتے ہیں تاکہ مطلوبہ نتائج سامنے آئیں۔ کارکردگی کو بہتر بنانے کے لئے انتظامی لحاظ سے ادارہ کو شعبوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، ہر شعبہ کا ایک سربراہ ہوتا ہے اور ان شعبہ جات کو آخر میں ایک شعبہ سے منسلک کر دیا جاتا ہے جو مجموعی طور پر کارکردگی کا جائزہ لے کر نتیجہ اخذ کرتا ہے۔

مقاصد کا تعین، قواعد کی تشکیل اور کارکردگی کے لحاظ سے ادارہ کو مختلف شعبوں میں تقسیم کرنا دراصل مقداروں کا تعین ہے۔ یہ مقداریں ادارہ کو توازن میں رکھتی ہیں اور اعتدال قائم کرتی ہیں۔ ان میں معمولی ردّوبدل سے ادارہ کی ساخت اور ساکھ متاثر ہوتی ہے۔

مثال کو مدنظر رکھتے ہوئے معاشرہ کو دیکھئے، معاشرہ بھی ایک ادارہ ہے جو مختلف شعبوں میں تقسیم ہے اور مقداروں پر قائم ہے۔ ہر فرد مقدار کے توازن کو قائم رکھنے کے لئے اہم جز ہے۔ بے اعتدالی کے سبب جب اینٹ جگہ سے ہٹتی ہے تو وزن دوسرے ستونوں پر پڑتا ہے۔ ہر اینٹ میں دباؤ کو برداشت کرنے کی مخصوص سکت ہے۔ سکت سے زیادہ بوجھ توازن پر اثر انداز ہوتا ہے۔ معاشرہ میں توازن بھی اس وقت قائم ہوتا ہے جب ہر ستون متوازن ہو۔

مخلوق پہلے سے موجود نظام کو دیکھ کر ارادی اور غیر ارادی طور پر کوئی کام سیکھتی ہے۔ اپنی تخلیق سمیت کائنات میں جس شے پر نظر رکتی ہے، نظر آتا ہے کہ وہ شے ایک مخصوص مقدار ہے اور معین نظام کے تحت قائم ہے۔ قرآن کریم میں ہے،

''پاک اور بلند مرتبہ ہے وہ ذات جس نے تخلیق کیا معین مقداروں کے ساتھ اور ان مقداروں کی ہدایت بخشی۔'' (الاعلیٰ:۱۔۳)

تخلیق فارمولے کے تحت ہے اور فارمولے سے مراد مقداروں کا معین ہونا ہے۔ ہوا ایک، پانی ایک، آکسیجن ایک، زمین ایک لیکن زمین سے مختلف قسم کے پھل، سبزیاں اور اناج نمودار ہوتے ہیں۔ سب کا

ایک دوسرے سے مختلف ہونا مقداروں کے تحت ہے۔ کسی میں پانی کی مقدار کم ہے، کسی میں زیادہ ہے۔ نمک و مٹھاس سب میں موجود ہیں لیکن تناسب مختلف ہے۔ املی میں اگر مٹھاس نہ ہو تو املی کھٹی نہیں ہوتی۔ آم میں کھٹاس نہ ہو تو آم میٹھا نہیں ہوتا۔ کیا آپ نے کیری کھائی ہے—؟ کیا وہ میٹھی ہوتی ہے—؟ کھٹی کیری، میٹھے آم میں کیسے تبدیل ہوئی—؟

بیج سے تعین ہوتا ہے کہ زمین سے انار نکلے گا یا امرود۔ بیج خول ہے جس میں فارمولا بند ہے۔

گیسوں اور کیمیائی مادوں کا تذکرہ کریں تو ان کی شناخت مخصوص فارمولوں سے ہوتی ہے۔ نائٹروجن، آکسیجن یا دیگر گیسوں کے فارمولے میں معمولی ردّوبدل حیات کے لئے مضر ہے۔

اسی طرح اعضا اور ان کے مقام کی بھی مقداریں ہیں۔ سونڈ کی جگہ آدمی کی ناک لگا دیں تو سوچیں ہاتھی کیسا لگے—؟ کیا وہ ضرورت کے مطابق پانی پی سکے گا—؟ جسم کا توازن بگڑنے سے ہاتھی کی موت واقع ہوسکتی ہے۔ اونٹ کی لانبی پلکیں آنکھوں کو ریگستان کی ریت سے محفوظ رکھتی ہیں۔ ہاتھ پیر اور دیگر اعضا جسامت کے لحاظ سے ہیں۔ دل مخصوص حجم (سائز) سے بڑا یا چھوٹا ہوجائے تو بیماری ہے۔

تمام زمینوں کی طرح کرۂ ارض مقداروں پر قائم ہے۔ اگر زمین مقررہ حجم سے زیادہ ہوتی تو کشش ثقل کی زیادتی کی وجہ سے کاربن ڈائی آکسائڈ خلا میں منتشر ہونے کے بجائے زمین کی سطح پر ٹھہر جاتی اور مخلوق کے لئے سانس لینا دشوار ہوجاتا۔ اور اگر حجم کم ہوتا تو کشش ثقل کی کمی کی وجہ سے آکسیجن خلا میں اڑ جاتی۔

معاشرہ سے مراد اس میں رہنے والے لوگ ہیں جن کا تعلق مختلف نسلوں، قبائل، ذات، مذاہب، مکتبۂ فکر اور صلاحیت سے ہے۔ جب ہر فرد اپنی ذمہ داری پوری کرتا ہے تو ترقی ہوتی ہے۔ چاہے یہ ذمہ داری معاش اور تربیت کے ضمن میں ہو یا تعلیم اور ایجاد سے متعلق ہو۔ معلم، ڈاکٹر، انجینیئر اکاؤنٹنٹ، تاجر، نرس، ڈرائیور، نائی، پلمبر، خاکروب، مزدور، پولیس، تکنیکی لوگ — سب صلاحیت اور شعبے ہیں۔ ان شعبوں کا تعلق اکتسابی علوم سے ہے۔ ایک شعبہ اپنا کام نہ کرے، سب متاثر ہوتے ہیں۔ سوچئے ڈاکٹر نہ ہو تو کیا ہو اور اگر ڈاکٹر زیادہ ہوجائیں تو کیا ہوگا—؟

اکتسابی علوم کے برعکس ایک شعبہ روحانی علوم کا ہے۔ اکتسابی علوم سیکھے جاتے ہیں جب کہ روحانی علوم منتقل ہوتے ہیں۔ روحانی علوم میں مقداروں میں تصرف کا علم موجود ہے جو لاشعوری کیفیات سے مرکب ہے اور اس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔

''ہم نے ہر چیز مقدار کے ساتھ پیدا کی ہے۔''

(القمر: ۴۹)

قرآن کریم میں معین مقداروں کے قانون کی وضاحت مقداروں کے علم کی طرف متوجہ کرتی ہے۔

راہ نمائی ہوتی ہے کہ ہم جس معاشرہ میں رہتے ہیں اس کے قیام کی بنیاد توازن پر ہے۔ توازن کیسے قائم ہو؟

معاشرہ کا بنیادی مسئلہ تعلیم، صحت، روزگار اور رہائش ہے اور یہ سب ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ روزگار کے ضمن میں ترقی یافتہ ممالک میں تعداد مقرر کی جاتی ہے کہ کس شعبہ میں کتنے لوگوں کی ضرورت ہے، اس مناسبت سے تعلیمی اداروں میں نشستیں مختص ہوتی ہیں۔ جن شعبوں کو ہم کم تر سمجھتے ہیں، انہوں نے اس میں بھی جدت پیدا کر لی ہے۔

ایک مثال نائی کی ہے۔ ہمارے معاشرہ میں نائی کا وہ مقام نہیں ہے جو ہونا چاہئے۔ ترقی یافتہ مالک میں حجام کے شعبہ میں ترقی کے سبب صنعتیں وجود میں آ گئی ہیں۔ جدید مشینیں مختلف ہیئر اسٹائل، بالوں کو رنگنے، میک اپ اور جلد کی حفاظت کی مصنوعات ـــ آج نائی کو hair dresser یا hair stylist کہا جاتا ہے۔ اگر نائی نہ ہو تو ہم ویسے نظر آئیں گے جیسے خود کو دیکھنا چاہتے ہیں؟

ہمارے معاشرہ میں مخصوص شعبوں کو ترقی کا ضامن سمجھا جاتا ہے۔ ماں باپ بچے پر دباؤ ڈالتے ہیں کہ وہ ان شعبوں کو اپنائے۔ خواہش کے مطابق شعبہ کے انتخاب میں مضائقہ نہیں مگر دوسرے شعبوں کو حقیر مت سمجھیں، ان کے بغیر معاشرتی اور معاشی نظام ادھورا ہے۔ خود کو بڑا یا چھوٹا سمجھنا کوتاہ نظری کے سوا کچھ نہیں۔

اگر حجام کا شعبہ اہم نہیں ہے تو بالوں سے متعلق بڑے بڑے ادارے کس طرح قائم ہو گئے ـــ؟ ایک شعبہ کو کم تر اور دوسرے کو برتر قرار دینے سے نظام متاثر ہو جاتا ہے۔ ادارہ کے مالک یا گھر کے سربراہ سے لے کر مزدور اور چھوٹے بچہ تک سب کی اہمیت ہے۔ مزدوروں کی ایک دن کی ہڑتال کسی بھی ادارہ کو یومیہ کروڑوں کا نقصان پہنچا سکتی ہے۔

اسی طرح تصور کریں کہ خاکروب نہ ہوں تو کیا صاف ستھرا ماحول میسر ہوگا ـــ؟ خاکروب کس کی گندگی کو صاف کرتے ہیں ـــ؟ گندگی پھیلانے والا اچھا ہے یا وہ جو گندگی صاف کرتا ہے ـــ؟

عدم توازن کی بنیاد رویے ہیں۔ اس تحریر کا مقصد رویوں کی اصلاح ہے۔ طرز فکر اور طرز عمل درست ہونے سے ہر فرد اور ہر شعبہ کو عزت ملتی ہے۔ پاکستان میں رہ کر ہم خاکروب کا کام کرنے یا ٹیکسی چلانے پر شرمندگی محسوس کرتے ہیں کہ بھائی میں نے اتنی تعلیم کیا ٹیکسی چلانے کے لئے حاصل کی ہے۔ مگر پاکستان سے باہر جا کر یہی کام بغیر جھجک کے کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ایم بی اے کر کے یہاں آپ ٹیکسی چلائیں گے تو لوگ باتیں بناتے ہیں۔ یہ رویہ ترقی یافتہ ممالک میں نہیں ہے۔ وہاں ہنر اور محنت کو اولیت دی جاتی ہے۔

ڈاکٹر اپنے معاونین یعنی نرس یا کمپاؤنڈر کے بغیر کام

نہیں کرتا۔ یہ کائناتی پروگرام کا حصہ ہے کہ کوئی ڈاکٹر ہے اور کوئی ڈاکٹر کا معاون۔ معاشرتی استحکام کے لئے لازم ہے کہ اونچے مقام پر پہنچ کر ان لوگوں کو نظر انداز نہ کریں جنہوں نے آپ کی کرسی سنبھالی ہوئی ہے۔

رب کائنات کا ارشاد ہے،

''لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔'' (الحجرٰت:۱۳)

قبائل، اقوام اور شعبوں کی تقسیم بڑے چھوٹے کی بنیاد پر نہیں ہے، اس کا سبب معاشرہ میں توازن پیدا کرنا ہے تا کہ انتظامی امور کی انجام دہی آسان ہو اور نظام کو چلانے کے لئے کام میں مہارت پیدا ہو۔

معاشرہ میں عدم توازن کی ایک وجہ عورت اور مرد کا کردار ہے۔ دونوں فریق ایک دوسرے سے نالاں ہیں۔ مرد و عورت سے گھر خاندان، اور خاندان معاشرہ بنتا ہے۔ پدرانہ نظام کی وجہ سے لوگ یہاں تک کہ خود خواتین بیٹوں کی پیدائش کو ترجیح دیتی ہیں اور پھر شکایت کرتی ہیں کہ عورتوں کا استحصال ہوتا ہے۔ جب آپ اپنی صنف کو اہمیت نہیں دیں گی تو دوسرا کیوں دے گا؟ دیکھا گیا ہے کہ پیدائش سے قبل جنس میں لڑکی کی نشان دہی ہوئی تو گھر والوں نے بچہ کو ضائع کروادیا۔ اگر لڑکیوں کی تعداد کم ہو جائے تو اللہ کا بنایا ہوا ''جوڑے جوڑے تخلیق'' کا نظام متاثر ہوگا اور اس کے منفی اثرات ہوں گے۔

عورت اگر اپنے کردار سے واقف ہو جائے تو مضبوط بن کر ابھرتی ہے۔ بچہ کی تربیت اس کے ہاتھ میں ہے۔ بچہ کا تجزیہ کریں تو وہ ماں کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ وہی زبان بولتا ہے جو ماں کی ہے، وہ طرز عمل اختیار کرتا ہے جو ماں کا ہے۔ ماں جتنی اچھی تربیت کرسکتی ہے وہ باپ نہیں کرسکتا۔ عورت کو چاہئے کہ وہ ماں، ساس، بیٹی، بہو، بہن، نند اور بھابھی کے روپ میں اپنی اہمیت کو پہچانے اور معاشرہ کے استحکام میں مثبت کردار ادا کرے۔ اگر خواتین کے تمام کرداروں میں آپس میں اتفاق ہو جائے تو کوئی مرد ان کے حقوق کو پامال نہیں کرسکتا!

بڑے کاروباری ادارے تنوع (diversity) کو اپنی قوت سمجھتے ہیں کیوں کہ وہ جانتے ہیں ہر فرد اور ہر جنس کے اندر اللہ نے خوبیاں رکھی ہیں اور ان خوبیوں کے امتزاج سے ادارے آگے بڑھتے ہیں۔ جب یہ ادارے عورتوں اور مردوں کی صلاحیت سے اربوں روپے منافع کما سکتے ہیں تو پھر مرد اور عورت باہم مل کر معاشرہ کے سدھار کے لئے کام کیوں نہیں کرتے ــــ؟

سلسلۂ عظیمیہ کے قواعد وضوابط میں شامل ہے کہ،

''نوع انسان میں مرد عورتیں چھوٹے بڑے سب آپس میں آدم کے ناتے خالق کائنات کے تخلیقی

رازونیاز ہیں، آپس میں بھائی بہن ہیں — نہ کوئی بڑا ہے نہ چھوٹا۔ بڑائی صرف اس کو زیب دیتی ہے جو اپنے اندر ٹھاٹھیں مارتے ہوئے اللہ کی صفات کے سمندر کا عرفان رکھتا ہو، جس کے اندر اللہ کے اوصاف کا عکس نمایاں ہو، جو اللہ کی مخلوق کے کام آئے، کسی کو اس کی ذات سے تکلیف نہ پہنچے۔''

معاشرتی توازن کی ایک مثال آبادی کی تقسیم ہے۔ زیادہ تر ممالک میں شہری نظام کو فروغ دینے کی وجہ سے وسائل کی تقسیم غیر متوازن ہے۔ شہروں میں جدید تعلیم میسر ہوتی ہے یا چند شہروں میں اچھی اور بڑی یونی ورسٹیاں موجود ہوتی ہیں۔ دیہی علاقے نظر انداز ہیں۔ روزگار اور دوسری سہولیات کا بھی یہی حال ہے۔ شہروں میں جدید شاپنگ سینٹر اور تفریحی مراکز ہیں۔ انفراسٹرکچر یعنی عمارتیں، سڑکیں، پانی اور بجلی کی سپلائی کا نظام، بینکوں کی سہولت وغیرہ۔ تعلیم، روزگار کے حصول اور معیار زندگی سے متاثر ہو کر دیہی آبادی شہروں میں منتقل ہو رہی ہے۔ بڑی مثال پاکستان میں کراچی اور لاہور، چین میں شنگھائی اور بھارت میں ممبئی کی ہے۔

آبادی میں عدم توازن کی وجہ سے ماحولیاتی آلودگی، رہائشی سہولیات، ٹریفک، پانی کی فراہمی اور سیوریج کے مسائل میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ کراچی، شنگھائی، دہلی اور اس نوعیت کے دوسرے شہروں میں ماحولیاتی آلودگی عروج پر ہے، سانس کے امراض اور پھیپھڑوں کا کینسر بڑھ رہا ہے۔

ماہرین سماجیات کا کہنا ہے کہ اس مسئلہ کا حل نئے شہر آباد کرنا ہے تاکہ انتظامی امور بہتر ہوں۔ نئے شہر آباد ہونے اور وسائل کی تقسیم میں توازن سے لوگ دوسرے مقامات پر منتقل نہیں ہوں گے۔

خالق کائنات کا ارشاد ہے،

''ہم نے زمین کو پھیلایا اس میں پہاڑ جمائے، اس میں ہر نوع کی نباتات ٹھیک ٹھیک نپی تلی مقدار کے ساتھ اگائی، اور اس میں معیشت کے اسباب فراہم کئے۔ تمہارے لئے بھی اور ان بہت سی مخلوقات کے لئے بھی جن کے رازق تم نہیں ہو۔ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں، اور جس چیز کو بھی ہم نازل کرتے ہیں ایک مقرر مقدار میں نازل کرتے ہیں''۔ (الحجر: ۱۹-۲۱)

الملک القدوس اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین لوگ وہ ہیں جو تدبر سے کام نہیں لیتے ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے گونگے بہرے اور اندھے فرمایا ہے۔

معاشرہ میں عدم توازن کی مذکورہ وجوہات کے ساتھ خیالات اور الفاظ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ایک غلط لفظ کسی کی زندگی برباد کر دیتا ہے۔ منفی خیال، حسد، غیبت، تعصب اور الزام تراشی کی لہریں منتشر ہوتی ہیں تو فضا میں سکون کی مقداریں متاثر ہوتی ہیں۔

یہ سارے عوامل مل کر معاشرہ کی مقداروں کو استحکام بخشتے ہیں اور استحکام — ایثار کا متقاضی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو

ایثار پسند ہے کیوں کہ ایثار سے جذبات میں توازن پیدا ہوتا ہے۔ نظام اور شعبہ جات ـــ خود سے کچھ نہیں ہیں، معاشرہ میں رہنے والے لوگوں کی تصویر ہیں۔

مضمون کا مقصد مختلف عوامل کی نشان دہی کر کے توجہ دلانا ہے کہ صحت مند معاشرہ اعتدال پر قائم ہوتا ہے اور اعتدال کا تعلق مقداروں سے ہے۔

سوچئے کہ ملک میں عدالتیں کیوں قائم کی جاتی ہیں؟

عدل ـــ انصاف ـــ توازن کے لئے۔

جس معاشرہ میں انصاف نہ ہو، وہ ٹوٹ جاتا ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران ایک موقع پر فریقین میں سے ایک ملک کے سربراہ کو ملک میں ہونے والی اموات اور معاشی ابتری کے بارے میں صورت حال سے مطلع کیا گیا تو اس نے پوچھا، کیا ہماری عدالتیں انصاف فراہم کر رہی ہیں؟ بتایا گیا کہ عدالتیں اپنا کام ذمہ داری سے انجام دے رہی ہیں۔

اس نے کہا، پھر ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا!

اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں پر غور و فکر کا حکم دیا ہے۔ غور و فکر سے حکمت واضح ہوتی ہے اور حکمت سے زندگی میں توازن قائم ہوتا ہے۔ ہم جہاں رہتے ہیں، اردگرد اور اپنے اندر نظام پر غور کرنا چاہئے کہ یہ سب کن بنیادوں پر قائم ہے۔ جو لوگ غور نہیں کرتے، ان کی مثال اندھے بہرے لوگوں کی ہے۔

''یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، یہ اب نہ پلٹیں گے۔'' (البقرۃ:۱۸)

دنیا وہی پرانی ہے

پیالہ میں جو پانی ہے
دریا کی حیرانی ہے
رات بھرے مشکیزے سے
ہم نے لو چھلکانی ہے
بس ہم دونوں زندہ ہیں
باقی دنیا فانی ہے
ہنستے مہکتے جنگل میں
ہری بھری ویرانی ہے
کنوئیں کی تہ میں ہنستا ہوا
ایک ستارہ پانی ہے
تم نے صحرا دیکھا ہے
ہم نے ریتی چھانی ہے
نیا لباس پہن کر بھی
دنیا وہی پرانی ہے
گھر میں رات اکیلی ہے
صحن میں رات کی رانی ہے
لپٹی ہوئی دو لہریں ہیں
ٹھہری ہوئی روانی ہے

(نذیر قیصر)

سرورق کی تشریح

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ نے رباعی میں دنیا کی بے ثباتی کی طرف متوجہ کیا ہے۔ رباعی کا مرکزی پہلو مٹی ہے کہ مٹی سے اشیا تخلیق ہوتی ہیں اور مٹی میں مل کر مٹی بن جاتی ہیں۔ دنیا کا نظام اسی دائرہ میں آگے بڑھ رہا ہے اور تخلیقی فارمولوں کا یہ قانون ہر تخلیق کی نشو ونما میں جاری وساری ہے۔ تخلیق کے اس عمل میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو کائناتی رموز سے واقف ہونا چاہتے ہیں۔ مادی اشیا کی بنیاد مٹی ہے دوسرے تمام عناصر اس میں موجود ہیں۔ مٹی سے پیدا ہونے والا مٹی کی کشش سے نہیں نکلتا، مٹی — مٹی کو کھینچتی ہے اور بالآخر فرد کا وہ حصہ مٹی میں مل جاتا ہے جو مٹی سے بنا ہے۔ مٹی کی فطرت میں فنا ہونا اور ریزہ ریزہ ہوکر بکھرنا ہے۔ قدرت کی کرشمہ سازی ہے کہ مٹی سے جدا جدا تخلیقات پیدا ہوتی ہیں اور مٹی میں تبدیل ہوجاتی ہیں۔ پرندے بھی قدرت کی تخلیق ہیں، مٹی سے نکلتے ہیں اور پھر مٹی بن جاتے ہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاؒ نے رباعی میں کشش اور گریز کا قانون بتایا ہے اور یہ قانون ہر تخلیق میں کام کرتا ہے۔ مٹی کشش ثقل کا دوسرا نام ہے اس لئے آدمی اس زمین پر خود کو پابند حواس میں دیکھتا ہے۔

رباعی کا یہ مصرع ''مٹی میں ہے دفن آدمی مٹی کا'' زندگی کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ آدمی ہو یا چرند پرند، یکساں موت وحیات کے عمل سے گزرتے ہیں۔ مٹی سے بننے والی چیزیں کھاتے ہیں اور مٹی میں مل کر مٹی بن جاتے ہیں۔ عبرت کا مقام ہے کہ ہم مٹی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور راہ کی گرد بن جاتے ہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاؒ سمجھانا چاہتے ہیں کہ مٹی کا پس منظر دیکھو، اس کے پیچھے کیا حکمت کام کر رہی ہے۔ وہ کیسی

روشنی ہے جو مٹی کے وجود کو خوب صورت اور پُرکشش بناتی ہے اور جب مٹی کے جسم سے وہ روشنی نکل جاتی ہے تو جسم میں بدبو اور تعفن نمایاں ہو جاتا ہے۔ عزیز و اقارب ڈیڈ باڈی کے پاس نہیں ٹھہرتے، چاہے وہ فرد انہیں کتنا عزیز کیوں نہ ہو۔ سرورق میں متوجہ کیا گیا ہے کہ مٹی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک ہے، ہے کوئی غور کرنے والا — ؟ (یاسمین گل۔ فیصل آباد)

رباعی میں دیکھنے کی دو طرزیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلے دو مصرعے بالواسطہ طرز کی نشان دہی کرتے ہیں، اور آخری دو مصرعوں میں براہ راست طرز فکر کا بیان ہے۔ جب پرندے اوپر سے نیچے دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم مٹی کی گرفت سے آزاد ہو چکے ہیں۔ لیکن وہ نہیں جانتے کہ اوپر جا کر نیچے دیکھنا، ان کا اپنا فعل نہیں — مٹی کی کشش کے سبب ہے۔ مٹی انہیں دیکھ رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ بار بار مڑ کر مٹی کو دیکھ رہے ہیں۔ مٹی اپنی کشش سے ایک ایسے وقت پر جا کر انہیں مزید آگے بڑھنے سے روک دیتی ہے جب پرندے یا فرد اپنی دانست میں خود کو مٹی سے آزاد سمجھتے ہیں۔ رباعی میں سمجھایا گیا ہے کہ مٹی کی کشش کا دائرہ اثر مٹی پر ہے۔ فرد کو مٹی کی کشش کی مقناطیسی لائن سے نکلنے کے لئے روشنی کے جسم کو غالب کرنا ہوگا۔ اس کے بعد بھی مٹی کی کشش — مٹی کو کھینچے گی لیکن فرد روشنی سے واقف ہو کر اس کشش سے آزاد ہو جائے گا۔

جس طرح مٹی کی کشش — مٹی سے بنی اشیا پر اثر انداز ہوتی ہے اسی طرح روشنی کی کشش کا دائرہ اثر روشنی پر ہے۔ مٹی — مٹی کو، اور روشنی — روشنی کو کھینچتی ہے۔ موت وارد ہوتی ہے تو مٹی سے بنا ہوا وجود اس دنیا میں رہ جاتا ہے، اور مٹی کو حرکت دینے والا روشنی کا جسم — اپنے عالم میں منتقل ہو جاتا ہے۔ (بی بی مریم۔ کراچی)

رباعی میں تمام نوعوں کی زندگی کا سفر، کشش و گریز اور نزول وصعود کا قانون بیان کیا گیا ہے۔ نباتات، جمادات، حیوانات، چرند، پرند، آدمی وغیرہ مٹی کی مختلف شکلیں ہیں۔ سب کے مادی جسم کا بنیادی مسالا مٹی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت ہے اس نے مٹی سے لامحدود شکلیں بنائیں اور ان میں حرکت کے لئے روح پھونکی۔ مٹی ایسا مادہ ہے جو گھٹتا، بڑھتا، گھٹتا اور بالآخر چھپ جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے آ رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف جا رہی ہے۔ جس کو مشاہدہ ہو جائے، اس نے حقیقت کا عرفان حاصل کر لیا۔ (محمد عاشق۔ ایبٹ آباد)

مٹی میں کشش کیا ہے — ؟ مٹی سے بننے والی اشیا میں گریز کی صلاحیت ہے یہی وجہ ہے کہ وہ پرواز کرتے

ہوئے بلندیوں پر پہنچ جاتی ہیں لیکن واپس بھی آتی ہیں۔عقاب مٹی سے بنا ہے، بلندی پر رہتا ہے مگر زمین کے کناروں سے باہر نہیں نکل سکتا کیوں کہ وہ مٹی کی کشش کا پابند ہے۔اگر عقاب زمین پر رہتا ہے تو یہ بھی کشش ہے اور بلندی پر گھر بناتا ہے تو یہ بھی کشش ہے۔وہ زمین سے ایک حد تک گریز کر کے کسی کشش کے سبب ہی پہاڑ کی چٹانوں پر پہنچا ہے۔دونوں طرف کشش ہے۔کشش کا رخ زمین کی طرف ہو تو اس میں ثقل پیدا ہوتا ہے اور اگر آسمان کی طرف ہو تو کثافت مغلوب ہو جاتی ہے۔ (جویریہ۔کراچی)

دنیا کی زندگی کھیتی ہے۔فرد یہاں جو بوتا ہے، دوسری دنیا میں کاٹتا ہے۔دوسرے عالم میں منتقل ہونے کے بعد ہماری کیفیت اس دنیا کی طرز فکر کا نتیجہ ہوگی۔مٹی کی کشش میں رہنے والا، ہر مقام پر مٹی کی کشش میں رہتا ہے۔اور جو اس کشش سے آزاد ہونے کی کوشش کرتا ہے، نئے عالمین سے متعارف ہوتا ہے۔یہاں موجود ہر شے مٹی کے ساتھ مٹی بن جائے گی پھر چاہے وہ گدا ہو یا بادشاہ، امیر ہو یا غریب، چاہے اس کا تعلق کسی بھی رنگ و نسل یا مذہب و ملت سے ہو۔ (عدنان نذیر۔اٹک)

سرورق پر غور کرنے سے ذہن میں آیت وارد ہوئی،

''اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے اور اسی سے تم کو دوبارہ نکالیں گے۔'' (طٰہٰ:۵۵)

زندگی کا قانون کشش پر قائم ہے۔جو شے جس سے پیدا ہوتی ہے، وہ اس کی کشش میں سرگرداں ہے۔

مٹی سے نکلتے ہیں پرندے اڑ کر دنیا کی فضا دیکھتے ہیں مڑ مڑ کر
مٹی کی کشش سے اب کہاں جائیں گے مٹی نے انہیں دیکھ لیا ہے مڑ کر

پرندے کتنی ہی بلندی پر پرواز کریں، مٹی کی کشش کھینچ لیتی ہے۔مٹی روشنی کا خلط ملط ہے۔اس میں رنگ موجود ہیں۔یہی وجہ ہے کہ زمین ایک ہے لیکن تخلیقات کا شمار نہیں۔ہر تخلیق کسی نہ کسی رنگ میں ظاہر ہوتی ہے اور ہر رنگ دوسرے سے مختلف ہے مگر یہ سارے رنگ جب مٹی میں ملتے ہیں تو ان کی شکل و صورت اور ہیئت مغلوب ہو جاتی ہے۔یہ مٹی کی کشش میں خود کو فنا کر دیتے ہیں۔ (محمد وسیم۔کراچی)

تالیف: قرۃ العین واسطی

حضرت ذوالنون مصریؒ

حضرت ذوالنون مصریؒ نے ایک پُرنور چہرہ شخص سے پوچھا، چہرہ پرنور کب آتا ہے ــــ؟ اس نے جواب دیا، جب بندہ خلاف اور اختلاف کو چھوڑ دیتا ہے۔ پوچھا، عارف کب خوش ہوتا ہے؟ سوال سن کر وہ مسکرایا اور کہا، کیا عارف ناخوش بھی ہوتا ہے ــــ؟

حضرت ثوبانؒ کا لقب ذوالنون ہے اور ذوالنون مصریؒ کے نام سے معروف ہیں۔ تلاشِ حق کے سفر میں ان کی ملاقات کوہِ لبنان کے ایک غار میں کسی بزرگ سے ہوئی۔ بزرگ نماز میں مشغول تھے۔ آپ قریب بیٹھ گئے۔ کافی وقت گزر گیا۔ نماز کے بعد بزرگ نے پتھر سے پشت لگائی، غار میں موجود نوجوان کو دیکھا لیکن بات نہیں کی اور ''سبحان اللہ'' کی تسبیح پڑھنا شروع کر دی۔ حضرت ذوالنونؒ نے عرض کیا، حضرت! اللہ تعالیٰ سے میرے حق میں دعا کیجئے۔

فرمایا، اللہ تجھے اپنے قرب سے مانوس کر دے۔

عرض کیا کہ کوئی اور دعا بھی کیجئے۔

فرمایا، بیٹا! یہ سب سے بڑی دعا ہے۔ اللہ جسے قرب سے نوازتا ہے، چار نعمتیں عطا فرماتا ہے ــــ عزت، علم، استغنا اور انس۔ بات ختم کرتے ہی بزرگ نے چیخ ماری جیسے لفظ مشاہدہ بن گئے ہوں، اور بے ہوش ہو گئے۔ تین دن بعد ان کی حالت سنبھلی۔ حضرت ذوالنونؒ نے اس دوران وہیں قیام کیا۔ رخصت ہوئے تو بزرگ نے فرمایا، اللہ کو دوست رکھ، ماسوا اللہ کے کسی کی طلب و چاہت نہ کر ــــ خالص ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر پھر نعرہ لگایا اور وصال ہو گیا۔ کچھ ہی دیر میں پہاڑ سے چند لوگ اترے جنہوں نے تدفین کے انتظامات کئے۔ بزرگ کا نام پوچھا تو بتایا گیا کہ یہ حضرت شیبان مصابؒ ہیں۔

کسی حکیم کے پاس مریضوں کا ہجوم تھا۔ حضرت ذوالنونؒ قریب گئے اور حکیم سے پوچھا، کیا آپ کے پاس گناہوں کی دوا ہے۔ حکیم نے کچھ دیر کے لئے آنکھیں بند کیں پھر کھولیں اور پوچھا، کیا تمہارے اندر سمجھنے کی استطاعت ہے ــــ؟

فرمایا، اللہ نے چاہا تو کیوں نہیں۔

حکیم نے کہا، جو اجزا بتا رہا ہوں پہلے انہیں جمع کرو۔ تخم فقر، برگ* صبر، ہلیلہ* تواضع، ہلیلہ خضوع، روغن بنفشہ ہیبت، خطمی* محبت، تمر ہندی سکینت* اور

گلاب صدق۔ ان کو جمع کر کے احکام کی پتیلی میں ڈالو۔ پھر آب احکام سے تر کر کے پتیلی کے نیچے اشتیاق وسوزش کی آگ روشن کرو اور کفگیر* عظمت سے ہلاؤ کہ اس پر حکمت کا کف آجائے۔ جب صفاء* فکر سے خوب صاف ہو جائے تو اس کو جام ذکر میں رکھو۔ پھر رضا کی چھلنی سے صاف کر کے اس میں محمود انابہ*، عمل میں سعی کرنے کی مُقل* اور ملائی جائے۔ پھر حانوت* خلوت میں جا کر نوش کر لو اور آب وفا سے کلی کر کے لبوں کو اغراض کے رومال سے صاف کر لو۔ اس شربت سے انشاءاللہ گناہ زائل ہو جائیں گے اور پروردگار عالم کی قربت حاصل ہوگی۔

حضرت ذوالنون مصریؒ نے ایک پُرنور چہرہ شخص سے پوچھا، چہرہ پرنور کب آتا ہے—؟

کہا، جب بندہ خلاف اور اختلاف کو چھوڑ دیتا ہے۔

پوچھا، عارف کب خوش ہوتا ہے؟

سوال سن کر وہ مسکرایا اور کہا، کیا عارف ناخوش بھی ہوتا ہے—؟ اے نوجوان! خوشی اور غم متغیر حالت ہے اللہ کی محبت خوشی و ناخوشی سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

پوچھا، اچھا اسم اعظم بتا دیجئے۔

اس نے کہا، اللہ کی عظمت و رحمت کے ساتھ اللہ کہہ، یہی اسم اعظم ہے۔ حضرت ذوالنونؒ نے جواب میں کہا، میں اکثر کہتا ہوں لیکن اثر پیدا نہیں ہوتا۔

فرمایا، تم اپنے اعتبار سے کہتے ہو، اس کے اعتبار سے نہیں کہتے۔

آپ نے جانے کی اجازت چاہی تو اس شخص نے کہا، پروردگار عالم تیری ہر حالت سے واقف ہے، تو بھی کسی حالت میں اسے مت بھول۔

سفر کے دوران ایک شخص کو کوہِ لکام پر نماز میں مشغول پایا۔ اردگرد درندے بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ذوالنونؒ ان کی جانب بڑھے تو درندے بھاگ گئے۔ نماز کے بعد جب اس شخص نے دیکھا کہ درندے نہیں ہیں تو حضرت ذوالنونؒ سے فرمایا، اے بندہ! اگر تیرا دل صاف ہوتا تو تجھے بھی جنگلی جانور تلاش کرتے اور پہاڑ بھی تیری طرف میلان کرتے۔

پوچھا، دل صاف ہونے کا کیا مطلب ہے؟

فرمایا، اللہ کے لئے خالص ہو جا۔

بندہ اس مرتبہ پر کیسے پہنچے؟

فرمایا، خلق خدا کے کام آ مگر ان سے توقعات مت رکھ۔ لوگوں سے توقعات ختم کر لے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کا شمار بڑے شیوخ میں ہوتا ہے۔ عبادت و ریاضت اور سیاحت سے ان پر معرفت کے رموز منکشف ہوئے۔ نشست ایسی تھی کہ حاضر باش رہتے۔ قرب و بعد سے لوگ فیض حاصل کرنے آتے۔

ایک شاگرد حضرت یوسف بن حسینؒ فرماتے ہیں کہ کسی نے مجھے بتایا کہ حضرت ذوالنون مصریؒ اسم اعظم

جانتے ہیں۔ میں مکہ مکرمہ میں تھا اور وہ مصر میں۔ تقریباً ایک سال ان کے پاس قیام کیا اور خدمت کی۔

ایک سال گزرا تو عرض کیا، جناب مسافر ہوں اور گھر والے یاد آتے ہیں۔ ایک سال خدمت کی ہے، مجھے اسم اعظم سکھا دیجئے۔

انہوں نے جواب نہیں دیا۔

جواب نہ پا کر میں نے واپسی کا ارادہ کچھ وقت کے لئے ترک کر دیا۔

چھ ماہ کے بعد ایک روز انہوں نے مجھے طبق دیا جس پر ڈھکن لگا ہوا تھا اور فرمایا، ہمارا دوست فلاں علاقہ میں رہتا ہے، اسے دے آؤ۔ ایک بات کا دھیان رہے کہ طبق کھولنے کی اجازت نہیں ہے۔

طبق بہت ہلکا تھا جیسے خالی ہو، البتہ اس کے اندر مسلسل حرکت ہو رہی تھی۔ میرے اندر تجسس پیدا ہوا۔ راستہ میں اس خواہش کو کئی بار نظر انداز کیا کہ دیکھوں اندر کیا ہے، اور پھر بالآخر ایک جگہ پہنچ کر کھول دیا— چوہا نکل کر بھاگا۔ سخت غصہ آیا کہ اتنے بڑے بزرگ ہو کر ایسا مذاق! غصہ میں واپس آیا۔ چہرہ پر ناگواری دیکھ کر وہ مسکرائے اور فرمایا، ایک چوہا تمہارے پاس امانتاً رکھوایا، تم امانت سنبھال نہ سکے، اسم اعظم جیسی امانت تمہیں کیسے دوں! میں نادم ہو گیا۔

ایک شخص اولیاء اللہ سے بغض رکھتا تھا اور حضرت ذوالنونؒ کا مخالف تھا۔ ایک ملاقات میں آپ نے اسے انگوٹھی دی اور فرمایا کہ نانبائی کے پاس ایک دینار میں رہن رکھوا دو۔

نانبائی اس قیمت پر رہن رکھنے پر تیار نہیں ہوا۔

وہ انگوٹھی لے کر واپس آیا تو آپ نے فرمایا کہ کسی سنار سے اس کی قیمت دریافت کرو۔

اس نے واپس آ کر بتایا کہ سنار نے ایک ہزار دینار قیمت بتائی ہے، حیران ہوں کہ نانبائی نے اتنی قیمتی انگوٹھی کی قدر نہیں کی۔

حضرت ذوالنونؒ نے فرمایا، حیران ہونے کی کیا بات ہے۔ تم میں اور اس میں کیا فرق! صوفیا سے متعلق تمہارا علم نانبائی جیسا ہے۔ وہ انگوٹھی کی قیمت نہ سمجھ سکا اور تم نے اولیا کی قدر نہ جانی۔

وہ متاثر ہوا اور معافی مانگی۔

حضرت ذوالنونؒ سے ایک عقیدت مند نے پوچھا، عارف کسے کہتے ہیں؟ فرمایا، جو ٹکڑوں میں تقسیم نہ ہو۔ صرف ایک در کو مضبوط پکڑے یعنی اس کا محبوب اللہ ہو۔

کسی شاگرد نے سوال کیا، اللہ کہاں ہے؟

فرمایا، تیری رسائی سے بہت دور ہے لیکن اگر تو دل سے اس کے قرب کا خواہش مند ہے تو وہ تجھے پہلے قدم پر مل جائے گا۔

شاگردوں سے فرماتے تھے کہ پیٹ بھر کر کھانا کھانے سے گریز کرو کیوں کہ اس پیٹ میں معرفت نہیں ٹھہرتی جو ہر وقت کھانے سے بھرا رہے۔

ایک سائل نے توکل کی وضاحت چاہی تو فرمایا،

جھوٹے معبودوں کی اطاعت سے نکل کر حقیقی معبود کی اطاعت میں آنا اور ہر حال میں اس پر بھروسا رکھنا۔

فرمایا، لوگ پوچھتے ہیں کہ دنیا کیا چیز ہے۔ جو چیز اللہ سے غافل کرے — وہی دنیا ہے! یقین کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یقین کی تین علامات ہیں۔

۱۔ ہر کام میں اللہ پر بھروسا کرنا

۲۔ ہر عمل میں اللہ سے رجوع کرنا

۳۔ ہر حال میں اللہ سے مدد چاہنا

کسی نے دریافت کیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار کون ہے؟

فرمایا: جو اپنی زبان پر قابو رکھے۔

پوچھا: سب سے زیادہ مغموم کون رہتا ہے؟ فرمایا: جس کی عادت میں نصیحتیں اور اخلاق میں کوتاہی ہو۔

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کی محبت جس دل میں نہ ہو، وہ گم راہ ہوجاتا ہے۔ آدمی پر چار چیزوں کی وجہ سے تباہی آتی ہے،

۱۔ ابلیس کا فرماں بردار ہونا

۲۔ موت کو قریب نہ سمجھنا

۳۔ رضائے الٰہی چھوڑ کر مخلوق کی رضامندی حاصل کرنا

۴۔ ضمیر کی آواز کو نظر انداز کرنا

ایک عقیدت مند نے نصیحت کی درخواست کی۔

فرمایا، شک کو یقین پر کبھی ترجیح نہ دو۔ مصائب میں صبر کرتے ہوئے زندگی کو یادِ الٰہی میں گزار دو۔

حضرت ذوالنون مصریؒ لوگوں کو نصیحت فرماتے،

★ جس کا ظاہر باطن کا آئینہ دار نہ ہو اس کی صحبت سے کنارہ کشی کر لینی چاہئے۔

★ حجابِ چشم سب سے بڑا حجاب ہے۔

★ مصائب میں صبر کرنا تعجب خیز نہیں بلکہ مصائب میں خوش رہنا تعجب کی بات ہے۔

★ جس طرح ہر جرم کی سزا ہوتی ہے اسی طرح ذکرِ الٰہی سے غفلت کی سزا دنیا کی محبت ہے۔

ایک لڑکا حاضر ہوا اور عرض کیا، مجھے ورثہ میں ایک لاکھ دینار ملے ہیں۔ خواہش ہے دینار آپ کی خدمت میں پیش کردوں۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کو دیناروں سے کیا غرض تھی، فرمایا، صبر کر ابھی تو نابالغ ہے، جب تک سن بلوغت کو نہیں پہنچتا اس وقت تک ان دیناروں کو خرچ نہ کر۔

لڑکا بالغ ہوا، تمام دینار درویشوں میں تقسیم کر دیئے اور آپ کے ارادت مندوں میں شامل ہوگیا۔

واقعہ میں سبق ہے کہ فیصلہ لینے کے لئے ذہن کا پختہ ہونا ضروری ہے۔

ایک روز یہ نوجوان مجلس میں موجود تھا کہ محسوس کیا شیخ کو مدد کی ضرورت ہے۔ آہ بھری اور سوچا کاش آج میرے پاس دینار ہوتے تو پیش کر دیتا۔

حضرت ذوالنونؒ نے نورِ باطن سے نوجوان کی سوچ پڑھ لی، پاس بلایا اور فرمایا، فلاں دواخانہ سے دوا لاؤ، روغن میں ملا کر تین گولیاں تیار کرو۔ گولیوں میں سوئی

سے سوراخ کر کے میرے پاس لے آنا۔

نوجوان نے ایسا ہی کیا۔

آپ نے گولیوں پر دم کیا، وہ یاقوت میں تبدیل ہوگئیں۔نوجوان کو ان کے بلند مرتبہ کا یقین تھا لیکن مشاہدہ سے گزرا تو دنگ رہ گیا۔

انہوں نے فرمایا، بیٹا! یاقوت جوہری کے پاس لے جاؤ اور قیمت معلوم کرو۔ وہ روانہ ہوا اور واپس آ کر پیرو مرشد کو بتایا کہ جوہری نے ہزار دینار قیمت لگائی ہے۔

فرمایا: اب یہ یاقوت پانی میں گھول دو اور ذہن میں اچھی طرح بات بٹھالو کہ اللہ کے دوستوں کو مال و زر کی ضرورت نہیں ہوتی۔نوجوان شرمندہ ہوگیا اور اس کی اصلاح ہوئی۔اب اس کے ذہن سے دیناروں کی قدر ختم ہوگئی۔اس طرح حضرت ذوالنون مصریؒ نے نوجوان کی تربیت فرمائی۔

ایک حلقہ حضرت ذوالنون مصریؒ کا مخالف تھا لیکن آپ نے چنداں پروانہ کی اور راہ حق میں جدوجہد جاری رکھی، لوگوں کی خدمت کی، بے کسوں کا سہارا بنے، دردمندوں کی دوا کی اور لوگوں کو مال و متاع سے متاثر ہونے کے بجائے اللہ سے محبت کرنا سکھایا۔

دوسری طرف مخالفت کا سلسلہ یہاں تک بڑھا کہ لوگ خلیفۂ وقت کے پاس شکایت لے کر پہنچ گئے۔ موقف بیان کرنے کے لئے جب خلیفہ کے سپاہی آپ کو مصر سے بغداد لے جا رہے تھے تو راستہ میں ایک عورت نے روکا اور کہا،

''ذوالنون! خوف زدہ نہ ہونا کیوں کہ خلیفہ دیگر مخلوقات کی طرح عاجز ہے۔اس لئے بندہ کو دوسرے بندہ کے رعب میں نہیں آنا چاہئے۔ بندہ ہر وقت مجبور ہے، وہ کچھ نہیں کر سکتا۔''

خلیفۂ وقت نے انصاف نہیں کیا اور آپ کو چالیس روز قید میں ڈال دیا۔البتہ غلطی کا احساس ہونے پر اس نے معافی مانگی اور عزت و احترام سے رخصت کیا۔

روایت ہے کہ حضرت ذوالنونؒ نے جنگل کا رخ کیا جہاں پرانے دوست مل گئے۔ جنگل میں قیام کے دوران خزانہ برآمد ہوا۔خزانہ کے ساتھ لکڑی کی تختی موجود تھی جس پر اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارک کندہ تھے۔ خزانہ تقسیم ہوا تو آپ نے لکڑی کی تختی پسند فرمائی۔

اس رات خواب میں غیب سے آواز آئی،

''اے ذوالنون! سب نے دولت میں دل چسپی لی مگر تو نے ہمارے نام کو پسند کیا جس کے عوض ہم تیرے اوپر علم و حکمت کے دروازے کھول دیں گے۔''

حضرت ذوالنون مصریؒ اکثر عقیدت مندوں سے فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کی محبت عارف کو دنیاوی مسائل سے بے نیاز کر دیتی ہے۔میں نے ایک پہاڑ پر بیماروں کا اجتماع دیکھا۔معلوم ہوا کہ یہاں اللہ کا نیک بندہ رہتا ہے جو سال میں ایک مرتبہ عبادت گاہ سے باہر آ کر بیماروں پر دم کرتا ہے اور وہ صحت یاب ہو جاتے ہیں،

آج اس کی آمد کا وقت ہے۔ کچھ دیر بعد ایک بزرگ باہر آئے اور لوگوں پر دم کیا۔ واپس جانے لگے تو میں نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا، ظاہری امراض والوں کو تو شفا ہوگئی، باطنی امراض بھی ختم کر دیجئے۔ فرمایا،

''اے ذوالنون! میرا ہاتھ چھوڑ! دیکھا اللہ تعالیٰ نگرانی فرماتے ہیں کہ اس کا دامن چھوڑ کر دوسرے کا ہاتھ تھامنے کی خواہش کی ہے۔''

محترم عظیمی صاحب نے حضرت ذوالنونؒ کا ایک واقعہ کتاب ''روحانی حج وعمرہ'' میں تحریر فرمایا ہے:

''حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا۔ لوگوں کی آنکھیں بیت اللہ پر مرکوز تھیں۔ سب کو سکون مل رہا تھا کہ دفعتاً ایک شخص بیت اللہ کے قریب آیا اور یہ دعا کرنے لگا،

اے اللہ! میں تجھ سے وہ چیز مانگتا ہوں جو سب چیزوں سے زیادہ قریب ہو اور وہ عبادت مانگتا ہوں جو سب سے زیادہ تجھے محبوب ہو۔ اے اللہ! میں تیرے برگزیدہ بندوں کے طفیل اور تیرے انبیا کے وسیلہ سے یہ مانگتا ہوں کہ اپنی محبت کی شراب کا ایک پیالہ مجھے پلا دے اور میرے دل پر سے اپنی معرفت سے جہالت کے پردے ہٹا دے تا کہ میں اڑ کر تجھ تک پہنچ جاؤں اور عرفان کے باغوں میں سرگوشیاں کروں۔

اس کے بعد وہ شخص اتنا رویا کہ زمین پر ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ پھر وہ بندہ ہنسا اور وہاں سے رخصت ہوگیا۔ حضرت ذوالنونؒ فرماتے ہیں کہ میں پیچھے چل دیا اور سوچ رہا تھا کہ یہ شخص یا تو بڑا کامل ہے یا پاگل ہے۔ وہ مسجد سے نکل کر ویرانہ کی طرف چل دیا۔ پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ اس نے پوچھا، کیوں چلے آ رہے ہو اپنا کام کرو۔ میں نے پوچھا، اللہ تم پر رحم کرے تمہارا کیا نام ہے۔ کہنے لگا عبداللہ۔ میں نے پوچھا، والد کا کیا نام ہے۔ بتایا عبداللہ۔ میں نے کہا یہ تو ظاہر ہے کہ سب اللہ کے بندے ہیں اور اللہ کے بندوں کی اولاد ہیں، نام کیا ہے۔ کہنے لگا میرے باپ نے میرا نام سعدون رکھا تھا۔ میں نے کہا، وہ جو سعدون مجنون کے نام سے مشہور ہے؟ کہنے لگا، ہاں میں وہی ہوں۔ میں نے پوچھا، وہ کون برگزیدہ لوگ ہیں جن کے وسیلہ سے تم نے دعا کی۔ کہا، یہ لوگ اللہ کے وہ بندے ہیں جنہوں نے عشق کو اپنا لیا ہے۔''

روایت ہے کہ جب حضرت ذوالنون مصریؒ کا انتقال ہوا تو عقیدت مندوں نے آپ کی پیشانی پر لکھا ہوا دیکھا— **اللہ کے دوست!**

برگ (پتا)، ہلیلہ (ہرڑ ایک دوا کا نام)، خطمی (گل خیرہ ایک دوا جو جوشاندہ بنانے کے کام آتی ہے)، تمر ہندی (بڑی املی)، کف (ہاتھ)، کفگیر (ڈنڈی والا بڑا چمچہ)، صفاء (مجلّا طبیعت)، محمودانابہ (اللہ کی طرف عاجزی سے رجوع)، مُقل (گوند)، حانوت (دکان)

محمد سعید انور

دہی

دہی وہ غذا ہے جو زمانہ اول سے آج تک نوع آدم کے استعمال میں ہے ۔ صدیوں کا ساتھ دہی کے انسان دوست ہونے کا ثبوت ہے۔

زمانہ قدیم سے موجودہ دور تک دہی جمانے کی ہیئت میں خاص تبدیلی نہیں آئی ۔ دہی میں probiotics بیکٹیریا پایا جاتا ہے ۔ یہ انسان دوست بیکٹیریا، نظام انہضام میں بھی پایا جاتا ہے ۔ دہی آنتوں میں مذکورہ بیکٹیریا کا اضافہ کر کے انہضام کو تقویت دیتا ہے اور قوت مدافعت بڑھاتا ہے۔

دہی میں دو طرح کے probiotics ہیں اور دونوں صحت کے لئے مفید ہیں۔ دہی جسم کے لئے ضروری بیش تر اجزا کا مرکب ہے اور یہ خصوصیت چند غذاؤں کو حاصل ہے۔ دہی میں موجود اجزا میں کیلشیم، مختلف اقسام کے وٹامن، پوٹاشیم اور فاسفورس قابل ذکر ہیں۔

ماہرین صحت کے مطابق ایک کپ دہی روزانہ 19 فی صد فاسفورس، 10 فی صد کیلشیم اور 3 فی صد پوٹاشیم کی ضرورت پوری کرتا ہے۔ دہی میں موجود کیلشیم ہڈیوں کے لئے مفید ہے۔ دہی سے سب سے زیادہ فائدہ ہاضمہ کے نظام کو پہنچتا ہے۔ اس سے آنتوں کے افعال درست ہوتے ہیں۔ قبض، ڈائریا، آنتوں کی سوزش اور آنتوں کے کینسر سے محفوظ رکھنے میں معاون ہے۔ طویل عرصہ تک اینٹی بایوٹک استعمال کرنے والے افراد کو بعض اوقات ڈائریا کی شکایت ہو جاتی ہے — اس مسئلہ کا حل دہی میں ہے۔

○ ○ ○

H.Pylori ایک بیکٹیریا ہے جو معدہ میں انفیکشن کا سبب بن سکتا ہے۔ یہ چھوٹی آنت کے بالائی حصہ کو بھی متاثر کرتا ہے اور معدہ کے کینسر کے خطرات کو بڑھا دیتا ہے۔ کئی مریضوں میں جب جدید اور دیگر متبادل طریقہ علاج سے بھی H.Pylori ختم نہ ہوا تو انہیں دن میں خالی پیٹ اور کھانے کے ساتھ دہی کے استعمال کا مشورہ دیا گیا — نتائج شان دار تھے۔ دہی کھانے سے انہیں فائدہ ہوا۔

ہالینڈ میں دو ہزار چونسٹھ (2064) مرد و خواتین پر دہی کے ذریعہ مختلف تجربات کئے گئے۔ ان لوگوں کی عمر 50 سے 75 سال تھی ۔ نتائج کے مطابق دہی کے باقاعدہ استعمال سے دل کے امراض اور بلند فشار خون میں کمی واقع ہوئی۔

دہی ہائی پروٹین پر مشتمل خوراک ہے۔ ایک تجربہ کے مطابق ڈائٹنگ کے ذریعہ وزن کم کرنے والے

افراد کے مقابلہ میں ان لوگوں میں کام یابی کی شرح زیادہ رہی جنہوں نے ڈائٹنگ کے بجائے روزانہ ایک کپ دہی استعمال کیا۔خواتین سے متعلقہ امراض میں دہی کے استعمال سے انفیکشن اور تیزابیت میں کمی دیکھی گئی ہے۔اسی طرح دہی مردوں کے امراض میں بھی فائدہ مند ہے۔

دہی آنتوں کے لئے نعمت ہے۔ اگر آنتوں میں انفیکشن ہو، پیٹ میں مروڑ یا خونی پیچش کی بیماری درپیش ہو تو دہی میں ڈبل روٹی اور اسپغول کی بھوسی ڈال کر کھائیں۔

گرمیوں میں دہی ازحد مفید ہے۔لو سے بچاتا ہے۔ جسم کی گرمی کو حد اعتدال میں رکھتا ہے۔دہی کا ایک معروف استعمال فرحت بخش مشروب ''لسی'' ہے۔ دیہات سے لے کر شہروں میں لسی سب کو بھاتی ہے۔

لسی دو طرح کی ہوتی ہے۔ایک وہ جس میں سے مکھن نہ نکالا گیا ہو، یہ ثقیل ہونے کی وجہ سے دیر سے ہضم ہوتی ہے۔دوسری قسم ''چھاچھ'' کہلاتی ہے۔ چھاچھ میں سے مکھن نکالا ہوا ہوتا ہے۔حکما کے نزدیک گائے کے دودھ والی چھاچھ بہترین ہے جو ثقیل غذاؤں کو ہضم کرنے میں مدد دیتی ہے۔

○ ○ ○

رمضان المبارک کے سعید مہینہ میں غذائی معمولات تبدیل ہو جاتے ہیں۔پورا دن جسم کو گرمی، پیاس اور بھوک سے محفوظ رکھنے میں سحری کے وقت دہی کا استعمال تاثیر کا حامل ہے۔یہ معدہ کی گرمی کو دور کرتا ہے، منہ میں چھالوں، آنتوں کے ورم، جسمانی کم زوری کے لئے فائدہ مند ہے۔

تحقیق کے مطابق روزانہ آدھا کلو دہی کھانے سے جسم میں زائد چربی گھلتی ہے۔ یہ جنین (fetus) کے خلیات میں سے کارٹیسول کے اخراج کو روکتا ہے اور بڑھتے وزن کو کنٹرول کرتا ہے۔دہی میں موجود کیلشیم اور فاسفورس ہڈیوں اور دانتوں کو مضبوط بناتے ہیں۔

دہی کو جلد اور بالوں کی خوب صورتی کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔دہی سے چہرہ کا مساج کیا جائے تو یہ وائٹنگ بلیچ کا کام دیتا ہے، جلد نرم و ملائم ہو جاتی ہے۔ بالوں کی صحت اور مضبوطی کے علاوہ خشکی دور کرتا ہے۔ دہی میں موجود لیکٹک ایسڈ سے خشکی پیدا کرنے والے فنگس ختم ہو جاتے ہیں۔دہی بالوں کے لئے کنڈیشنر کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

○ ○ ○

نشہ ختم کرنے کا طریقہ

ایک کلو دہی لے کر اسے صاف ستھرے کپڑے میں باندھ کر صبح کے وقت کھونٹی یا کیل وغیرہ پر لٹکا دیں۔ شام کو جب اس کا تمام پانی نچڑ جائے تو نشہ کے عادی مریض کو کھلا دیں۔اسی طرح صبح بھی یہی عمل کریں اور جب بھی نشہ کی طلب ہو تو آدھا پاؤ دہی کھلا دیں اس طرح چند روز کے مسلسل استعمال سے نشے کی رغبت کم ہو جائے گی، انشاءاللہ۔

حامد ابراہیم

لاشعور کا شعور

میں بحرِ استعجاب میں غوطہ زن ہوں اور سوچتا ہوں کہ میں بھی تو حارث ہوں۔ کیا میں خود سے واقف ہوں ــــ؟ پھر دوسری اشیا سے کیسے واقف ہوسکتا ہوں ــــ؟ خود سے واقف ہوئے بغیر عرصۂ حیات گزار دینا اور یہ سمجھنا کہ ہم جانتے ہیں، کیا الوژن نہیں ہے ــــ؟ میں اب اپنے لئے سوال بن گیا ہوں۔

حارث ــــ نوع آدم کا ایک فرد ہے۔ اس کے گھر بچہ کی پیدائش ہوئی۔ نومولود کو گود میں لیا اور خوب پیار کیا۔ عزیز و اقارب، دوست اور واقف کار حارث کو مبارک باد دیتے ہیں اور سب اپنے انداز میں خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ بچہ کے نقوش والدین سے ملتے ہیں اور کسی کو لگتا ہے کہ بچہ نانا نانی اور دادا دادی سے مشابہ ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ چاند کا ٹکڑا ہے اور کوئی اسے پھول کہتا ہے۔ مگر بچہ کا باپ حارث ان باتوں سے بے نیاز ــــ اپنی خوشی میں خوش ہے۔ بچہ کے خدوخال مخصوص ہیں البتہ وہ نوع آدم میں موجود تمام اوصاف سے متصف ہے۔ اس کے دم سے گھر میں رونق آ گئی ہے مگر سوچئے کیا تعریف ننھے منے مٹی کے پتلے کی کی جارہی ہے ــــ؟

اس دوران ایک رشتہ دار نے چابی کا کھلونا اس کے قریب رکھا۔ حارث نے کھلونے کو اور پھر اپنے بیٹے کو دیکھا تو چونک گیا۔

کھلونا کسی معصوم بچہ کی شکل کا تھا۔ دیکھ کر اصل کا گمان ہوا۔ بچہ گہری نیند میں اور کھلونا بے جان تھا۔ بچہ کسمسایا، حرکت ہوئی اور حارث کو دونوں میں فرق معلوم ہوا۔ جو رشتہ دار کھلونا لے کر آیا تھا اس نے چابی گھمائی تو کھلونے میں حرکت پیدا ہوئی، ہاتھ پیر ہلے، وہ رویا اور چابی ختم ہونے پر خاموش ہوگیا۔

کسی نے آواز دی، حارث آواز کی طرف متوجہ ہوا اور پھر دھیان بٹ گیا۔

حرکت نہ ہو تو ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ تقریباً سوا تین کلوگرام وزنی اور اٹھارہ بیس انچ کا قد ــــ کسی نے نہیں سوچا کہ ننھے پتلے میں حرکت کا ماخذ کیا ہے؟

ایسے ماہر کاریگر موجود ہیں جو مٹی یا پتھر سے وہ شاہ کار تخلیق کرتے ہیں کہ اصل کا گمان ہوتا ہے۔ کیا کبھی کسی نے ان مجسموں کو باحواس کہا ہے ــــ؟ اگر آپ ان میں بیٹری ڈال کر چلائیں، پھرائیں، وہ

بات کہلوائیں جو پہلے سے بیٹری میں ریکارڈ ہے، کیا اس کے باوجود آپ یہ نہیں کہیں گے کہ یہ کھلونا ہے؟ بیٹری چارج ہونے کی وجہ سے کھلونے میں حرکت ہے۔ بتائیے ہم میں اور مجسمہ میں کیا فرق ہوا — ؟

ممکن ہے کہ علم الابدان کا کوئی ماہر اعتراض کرے مجسمہ مماثلت کے باوجود ہم سے مختلف ہے۔ وجہ انسانی جسم اور مصنوعی پتلے کی اندرونی ساخت اور مشینری ہے۔ کسی حد تک یہ بات درست ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر ساخت اور مشینری کو حیات کا ماخذ سمجھ لیا گیا ہے تو یہ سب مردہ آدمی میں بھی موجود ہوتا ہے۔ وہ حرکت کیوں نہیں کرتا — ؟ اگر مشینری حیات کا سبب ہے اور اس میں نقص کی وجہ سے موت واقع ہوئی ہے پھر مشینری کے نقص کو دور کر کے مردہ جسم کو زندہ کیوں نہیں کیا جاتا — ؟

حارث نومولود بیٹے کو محبت سے دیکھتا ہے لیکن یہ نہیں سوچتا کہ بچہ ہے کیا اور اس میں حرکت کہاں سے آ رہی ہے — ؟ اور اگر وہ سوچتا ہے تو اس کا سوچنا نہ سوچنے کے برابر ہے، ایک آواز آئی اور وہ بھول گیا، ایسا بھولا کہ پھر پلٹ کر نہیں دیکھا۔

عجیب بات ہے کہ والدین اور رشتہ دار زندگی کو معاشرہ میں رائج سوچ اور اسلاف کی طرز فکر کے تحت کیوں دیکھتے ہیں۔ ان میں ایک فرد ایسا نہیں ہے جو پوچھے مٹر کے دانہ کے برابر بچہ بیس انچ کا کیسے ہو گیا؟ اللہ نے اسے ماں کے پیٹ میں خوراک کس طرح فراہم کی اور بچہ نے سانس کیسے لی — ؟

بچہ کو دیکھ کر اپنا بچپن یاد آتا ہے کہ ہم بھی نومولود تھے۔ وہ بچہ کہاں گیا، کیا وہ ہمارے اندر ہی موجود ہے یا اس نے اپنی ہیئت کھو دی ہے؟ ہم کس طرح تبدیل ہو کر جوان ہو گئے؟ کیا ہم اپنے اندر تبدیلی کو محسوس نہیں کرتے؟ پھر یہ دعویٰ کہ میں خود کو جانتا ہوں، کیا ہے — ؟ ان سطروں کو لکھتے ہوئے میں بحرِ استعجاب میں غوطہ زن ہوں اور سوچتا ہوں کہ میں بھی تو حارث ہوں۔ کیا میں خود سے واقف ہوں — ؟ پھر دوسری اشیا سے کیسے واقف ہو سکتا ہوں — ؟ خود سے واقف ہوئے بغیر عرصۂ حیات گزار دینا اور یہ سمجھنا کہ ہم جانتے ہیں، کیا لوژن نہیں ہے — ؟

میں اب اپنے لئے سوال بن گیا ہوں۔

میں کون ہوں — ؟ ایسا سوال ہے جس پر اللہ کے ایک دوست نے تفکر کیا تو منکشف ہوا کہ،

''میں ایک پتلا ہوں۔ پتلے میں خلا ہے۔ خلا میں کَل پرزے ہیں۔ ہر کَل دوسری کَل سے جڑی ہوئی ہے اور ہر پرزہ دوسرے پرزہ میں پیوست ہے اس طرح کہ کہیں بھی کوئی حرکت ہو تو سارے کَل پرزے متحرک ہو جاتے ہیں۔ کَل پرزوں سے بنی مشین کو چلانے کے لئے پتلے میں چابی بھر دی گئی تو پتلا چلنے پھرنے لگا۔ چلنے پھرنے، اچھلنے کودنے اور محسوس کرنے کے عمل سے پتلے میں میں پیدا ہو گئی۔ میں

جانتی ہے کہ چابی ختم ہو جائے گی، میں کا وجود عدم ہو جائے گا اور پتلا باقی رہ جائے گا۔

لوگ اس میں کو ایک فرد مانتے ہیں، میں کو ایک ہستی تسلیم کرتے ہیں۔ یہ بات ہے بھی سچی۔ میں ایک فرد ہوں، میری ایک ذات ہے۔ میری ذات، میری انا، میری ہستی کیوں ہے، کوئی نہیں جانتا — میں بھی نہیں جانتی۔ جب میں خود کو فرد کے روپ میں دیکھتی ہے تو ظاہر الوجود نظر آتا ہے اور جب خود کو ہڈیوں، پٹھوں اور کھال سے منڈھے ہوئے صندوق کے اندر تلاش کرتی ہے تو اسے اپنی ذات نظر نہیں آتی البتہ باطنی آنکھ دیکھتی ہے۔ عالم ایک نہیں، بے شمار عالمین ہیں اور ان عالمین میں لاکھوں کہکشائیں جھماکوں کے ساتھ قائم ہیں۔ لگتا ہے ساری کائنات sparkling کا مسلسل اور متواتر عمل ہے، لیزر بیم سے لطیف روشنی کی کرن ہے جس سے اندرونی دنیا بندھی ہوئی ہے اور اس اندرونی دنیا میں وہ کچھ ہے، ظاہری آنکھ جسے دیکھ نہیں سکتی، شعور ادراک نہیں کر سکتا، عقل کی وہاں تک رسائی نہیں۔ میری اصل باطن الوجود ہے اور ظاہر الوجود باطن الوجود کا عکس یا فوٹو اسٹیٹ کاپی ہے۔'' (قوس قزح)

تعجب ہے کہ مادی جسم جسے ہم اصل فرد پہ محمول کرتے ہیں، محض خول ہے۔ خول کی تخلیق، ساخت اور پیچیدگی نوع آدم کو عطا کئے گئے علم کی وسعت، مہارت اور اس علم تک رسائی کی روشن دلیل ہے۔

حارث ہو، بکر یا زید — سب مٹی کے پتلوں کے نام ہیں۔ ان سے بڑھنے اور مٹنے والی نسلیں بھی مٹی ہیں۔ حارث کی گود میں بچہ کا ظاہر، باطن الوجود کا عکس ہے اور باطن اللہ تعالیٰ کے ودیعت کردہ علوم کا امین ہے۔ ان علوم کے تحت حرکت ہر زون کے مطابق لباس میں ظاہر ہوتی ہے اور حرکت کے مطابق ہر زون میں لباس تبدیل ہوتا ہے۔ باطنی وجود اللہ تعالیٰ کے علوم کا امین کیسے ہے؟ باطن میں یہ علوم کہاں سے آئے —؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے،

''اور ہم نے آدمؑ کو علم الاسما سکھائے۔''

(البقرۃ: ۳۱)

نوع آدم کو علم الاسما عطا کئے گئے ہیں۔ ان علوم کی فضیلت کے سبب فرشتوں نے آدمؑ کو سجدہ کیا۔

معمہ: مادی دنیا میں آنے سے لازماً کچھ ایسا ہوا ہے کہ ظاہر، باطن کو بھول گیا ہے۔ والدین اور رشتہ دار بچہ کے پیدا ہونے پر تو اظہار مسرت کرتے ہیں لیکن کوئی اس مقام کا تذکرہ نہیں کرتا جہاں سے یہ آیا ہے، اور نہ کوئی پوچھتا ہے کہ بچہ کی اصل کیا ہے۔ کیوں کہ ہم خود اپنی اصل سے واقف نہیں ہیں اور لباس کو اصل سمجھتے ہیں۔ جس پیرائے میں ہم خود کو دیکھنے اور سمجھنے کے عادی ہیں، اسی پیرائے میں دوسروں کو قیاس کرتے ہیں۔

خودشناسی کار باشد اے فلاں
کار دیگر ہیچ و پوچ و ہیچ داں

ترجمہ: اے فلاں! خود شناسی ہی اصل کام ہے۔

دوسرے کام فضول ہیں۔

کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج — تمام عبادات خودشناسی کا علم دیتی ہیں۔ ان سب میں مشترک نکتہ — اپنی نفی یعنی لا ہے۔ عبادت کوئی بھی ہو، رسمی نہیں ہوتی، اس میں حکمت ہے جس کے بغیر عبادت کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ آیئے ان عبادات میں سے ایک، روزہ کو مدنظر رکھتے ہوئے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ لا کیا ہے۔

خاتم النبیین حضرت محمدؐ کی تعلیمات راہ نمائی کرتی ہیں کہ روزہ دراصل لا کا عملی پروگرام ہے۔ لا کے معنی نفی کے ہیں۔ جب تک فرد لا یعنی نفی کو اپنے اوپر محیط نہیں کرتا، الوژن میں رہتا ہے۔ اسلام کا پہلا رکن کلمہ طیبہ ہے۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

پہلے اپنی نفی اور پھر خالق کا اثبات — اللہ تعالیٰ کے عرفان کا راستہ محبوب رب العالمین حضرت محمدؐ کی سیرت پر عمل ہے۔ رسول اللہؐ کا ارشاد ہے،

''جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچانا۔''

قلندر شعور ''لا'' کا شعور ہے۔ روزہ اس شعور کو پانے کی عملی مشق ہے۔ روزہ دار خوشی اور رضا سے معینہ مدت کے لئے ان عوامل کی نفی کر دیتا ہے جو عام حالات میں جائز اور ضروری ہیں۔ کھانا پینا جائز اور بنیادی ضرورت ہے۔ روزہ میں مخصوص وقت کے لئے کھانے پینے کی نفی کی جاتی ہے تاکہ جسم میں کثافت بتدریج کم ہو۔ مقصد یہ ہے کہ بھوک کے غلبہ کے بجائے فرد کا بھوک پر غلبہ ہو جائے۔

افطاری اور سحری متوجہ کرتی ہیں کہ خوراک ضرورت کے تحت لیں، خوراک کو ضرورت نہ بنایا جائے۔ ذہن کھانے پینے سے ہٹنے سے احساس ہوتا ہے کہ جسم کی اہمیت ثانوی ہے۔ کم کھانے والا کم بولتا اور کم سوتا ہے اور کم سونے سے وہ حس بیدار ہوتی ہے جو مادی جسم کے بغیر حرکت کرتی ہے۔

روزہ میں معمول کیا ہوتا ہے —؟ روزہ صبح سے شام اور شام سے صبح تک اللہ سے تعلق قائم کرنا سکھاتا ہے کہ ہر کام اللہ کے لئے کرو۔ اپنی نفی زندگی کا ترک نہیں ہے، بلکہ اس زندگی کا ترک ہے جو فطرت کے نظام کے خلاف ہے، اور یہ مشکل نہیں ہے۔ کم از کم جو زندگی ہم گزار رہے ہیں اس میں ہر وقت تکلیف، پریشانی اور مسائل کا سایہ ہے — ترک کی زندگی اس زندگی سے آسان ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب بندہ ترک کرنا سیکھ لیتا ہے تو راستہ آسان ہو جاتا ہے۔

ترک کیا ہے —؟ وہ سوچ چھوڑ دینا جس میں اللہ شامل نہیں ہے۔ ترک یہ نہیں ہے کہ چیزوں کو چھوڑ دیں بلکہ انہیں اعتدال میں استعمال کریں اور یہ سوچیں کہ جو کچھ میرے پاس ہے یہاں تک کہ سانس،

سب اللہ کی طرف سے ہے۔

رمضان المبارک میں آدمی کی توجہ تبدیل ہو جاتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوچتا ہے اور اللہ کی مخلوق کو آرام پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ ذات باری تعالیٰ کی طرف توجہ سے جسم کی نفی ہوتی ہے اور جسم کا تعلق میں سے ہے۔ کیا اس پروگرام پر عمل سے سکون قائم نہیں ہوتا؟

عظیمی صاحب نے رمضان المبارک کے دوران اپنی کیفیت کے بارے میں ایک بار لکھا کہ،

''آج چھٹا روزہ ہے۔ فجر کی نماز کے بعد مراقبہ میں دیکھا کہ روزہ دراصل ترک اور نفی ہے۔ یعنی ظاہر الوجود انسان باطن الوجود انسان کے لئے خود کی نفی کرتا ہے۔ جیسے جیسے نفی کا عمل آگے بڑھتا ہے، ظاہر الوجود انسان باطن الوجود انسان میں داخل ہوتا رہتا ہے۔ جب کوئی انسان باطن الوجود بن جاتا ہے اور خود کو باطن الوجود دیکھ لیتا ہے تو مادی دنیا سے نکل کر نور کی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے۔ وہ سراغ پا لیتا ہے۔ پتلا ظاہر الوجود ہے اور پتلے کے اندر چابی باطن الوجود ہے۔ چابی ہوگی تو پتلا حرکت کرے گا، چابی نہیں ہوگی تو پتلا حرکت نہیں کرے گا۔ تیس دن تیس راتوں کے ترک سے انسان ایسے حواس میں داخل ہو جاتا ہے جن کی رفتار ظاہر الوجود کے حواس سے ساٹھ ہزار گنا زیادہ ہے۔ یہی وہ حواس ہیں جو غیب کی دنیا میں وسیلۂ سفر بنتے ہیں۔ غیب کی دنیا کے مشاہدہ کے بعد انسان کے اوپر کیف چھا جاتا ہے اور یہ سرور و کیف ہی عید ہے۔ مبارک کے مستحق ہیں وہ سعید بچے اور بزرگ جنہوں نے رمضان کے پروگرام ترک کو اپنایا، ظاہر الوجود حواس کی نفی کے لئے جدوجہد اور کوشش کی۔ اعتکاف کی برکتوں سے مستفیض ہوئے اور اپنے دلوں کو نورانی دنیا کے انوار سے منور کیا۔''

قلب اور نفس

گیرم کہ بسیار ہائے بسیار کنی — وز روزۂ دہر بے شمار کنی
تا دل نہ کنی ز غصہ و کینہ تہی — صد من گل برسریک خار کنی

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاؒ نے مندرجہ بالا اشعار پڑھ کر شاگردوں سے فرمایا، تم بہت نمازیں پڑھو اور روزے رکھو لیکن جب تک دل کو غصہ اور کینہ سے خالی نہیں کرو گے تحمل و بردباری کی فضیلت میسر نہیں ہوگی۔ نفس اور قلب آدمی کے دو رخ ہیں۔ اگر ایک نفس سے پیش آئے، دوسرے کو قلب سے پیش آنا چاہئے۔ نفس تفریق و دشمنی اور فتنہ و غوغا سے لبریز ہے۔ قلب سکون و اطمینان اور مہربانی و رضا سے پُر ہوتا ہے۔ نفس کے مقابلہ میں جو شخص قلب سے پیش آیا، اس کا نفس مغلوب ہوا اور قلب غالب ہو گیا۔ لیکن اگر وہ نفس کے جواب میں نفس سے پیش آیا تو دشمنی و عداوت اور فتنہ و فساد پیدا ہو جائے گا۔

آدمی اور جانور

جب کبھی اماں ابا کی لڑائی ہوتی اور دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنا گوارا نہ کرتے تو اماں ایک طرف ہو جاتیں اور ابا ایک طرف۔ لیکن اماں بھی ـــ اماں ہی تھیں۔

کُٹ کُٹ کُٹ ـــ نہ جانے اس سریلی آواز میں کون سی مقناطیسی کشش چھپی ہوئی تھی جس نے میرے کانوں میں پڑتے ہی بے چین کر دیا اور میں بے قرار ہو کر سنگ مرمر کی کسی سفید مگر نازک آرام گاہ سے جسے آدمی اپنی زبان میں انڈا کہتا ہے، نکل آیا۔

تاریکی احاطہ کئے ہوئے تھی اور کچھ پتہ نہیں تھا کہ میں کہاں ہوں۔ البتہ ایک نرم اور گرم غلاف مجھ پر پڑا ہوا تھا جو نہایت آرام دہ تھا۔ دل تاثرات کو ابھی تک نہیں بھولا تھا۔

جب میرے بدن میں کچھ پھرتی آئی اور میں نے نرم بستر سے سر نکالا تو خود کو ایک نئے عالم میں پایا۔ چاروں طرف اونچی اونچی دیواریں تھیں۔ میں دوڑتا تھا اچھلتا تھا۔ اپنے بے پر کے بازوؤں سے اڑنے کی کوشش کرتا تھا لیکن اڑ نہیں سکتا تھا۔

کچھ دنوں بعد سمجھ پیدا ہوئی تو معلوم ہوا کہ میں جہاں رہتا ہوں، یہ آدمیوں کا گھر ہے۔ اماں کا سہارا تھا جو میں اس گھر میں رہ لیا ورنہ چار دیواری میں قید ہونا کسے پسند ہے۔ سچ ہے مامتا سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز نہیں۔ اگر اس محبت کا وجود نہ ہوتا تو ننھی جان کی پرورش میں بہت دشواریاں ہوتیں۔ قدرت کے نظام میں بہت بڑی مصلحت ہے۔

وہ زمانہ یاد ہے جب ماں کو دانہ دنکا پڑا ہوا ملتا تو وہ خود نہ کھاتی بلکہ ہمیں آواز دیتی اور ہمارے نہ سننے پر زور سے کُٹ کُٹ کرتی اور دانہ ہمارے سامنے ڈال دیتی، کیڑے پکڑتی اور ہمیں کھلاتی، بھوکی رہتی، تکلیف اٹھاتی اور ہمارا پیٹ بھر دیتی تھی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آفتاب کی تپش سے ہم بے چین تھے۔ چلنے پھرنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ چونچ کھلی ہوئی اور پر پھیلے ہوئے تھے۔ پانی کی تلاش تھی اور سایہ کی جستجو لیکن گھر کے کسی کونے میں سایہ نہ تھا۔ بہت تلاش کے بعد ہماری اماں کو ایک جگہ پسند آئی۔ وہ ہمیں لے کر بیٹھ گئی اور اپنے پر کھجلانے لگی۔ ہم خوش فعلیوں میں مصروف ہوئے، کبھی پھدک کر اس کی پیٹھ پر جا

بیٹھتے اور کبھی نرم پروں میں خود کو چھپا لیتے۔ کبھی کبھی بڑوں کی دیکھا دیکھی چونچ اور پنجوں سے لڑنے لگتے۔ اس عالمِ انبساط میں مدہوش تھے کہ یکا یک سروں پر سیاہی منڈلاتی ہوئی نظر آئی اور یک بارگی ہم پر گری۔ ہمیں کسی شے کا ہوش نہ رہا اور ہمارے چھوٹے سے خاندان میں سراسیمگی پھیل گئی۔

اماں نے پروں میں چھپا کر آفت ناگہانی سے بچانا چاہا مگر حملہ اتنا اچانک تھا کہ میں سنبھل نہ سکا۔ دشمن مجھ کو تیز ناخنوں میں دبا کر اوپر اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ ماں نے خطرہ کو محسوس کیا اور اپنے لعل کو بچانے کے لئے اس زور سے دشمن پر جا گری کہ اسے شکار چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ یہ ماں ہی تھی جس نے جان جوکھوں میں ڈال کر ہمیں دشمن سے بچایا۔ گھر کے مالک کو واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے حفاظت کے لئے انگنائی میں تھوڑی سی جگہ لوہے کے تاروں سے الگ کر دی جس کے اندر ہم دن کو بے خطر اپنی زندگی بسر کرنے لگے۔ اب چیل کا کھٹکا رہا نہ بلی کا خوف۔

دریافت کرنا نہایت دشوار ہے کہ ہم نے کب اور کیوں کر اپنے وحشیانہ طرز زندگی کو ترک کر کے تمدن کی سرزمین پر قدم رکھا، اور کب ہم جنگلوں سے گھروں میں آ کر رہنے لگے۔ اب ہمیں بھی پابندی اور چار دیواری میں رہنا اتنا ہی پسند ہے جتنا کہ آدمی کی مادہ کو۔

ان بچاریوں کو گھر سے باہر قدم رکھنے کا موقع نہیں ملتا۔ دن بھر خانہ داری کے کاموں اور بچوں کی پرورش میں لگی رہتی ہیں۔ مصیبت جھیلتی ہیں لیکن حرف شکایت زبان پر نہیں لاتیں۔ وہ اپنی اسی حالت میں خوش ہیں اور اگر ان کو یا ہم کو آزاد کر دیا جائے تو ہمارے لئے زندگی مشکل ہو جائے گی کہ ہم دونوں اسیری میں خوش ہیں۔ ایک کونے میں بیٹھے اپنی موجودہ حالت پر قانع ہیں اور جانتے ہیں کہ ہیچ آفت نہ رسد گوشۂ تنہائی را۔

کئی باتوں میں مماثلت کے باوجود ان کے میاں کو بعض اوقات بیگم سے بیزار دیکھ کر ہمیں ان میں اور اپنے آپ میں ایک ہی فرق نظر آتا ہے — ہم کُٹ کُٹ کُٹ کرتے ہیں اور یہ کِٹ کِٹ کِٹ کرتی ہیں۔

بیگمات ہم سے بالکل ناراض نہ ہوں، ہم نے اپنے دل کی بات نہیں کی بلکہ جوان کے خاوندوں کے دل میں ہے وہ بیان کیا ہے۔ یقین نہ آئے تو ان سے پوچھ لیں!

میں بات ہی بات میں کہاں سے کہاں جا پہنچا۔ اپنی بود و باش کا ذکر کر رہا تھا کہ متذکرہ بالا فلسفیانہ سوال میرے چھوٹے سے دماغ میں گردش کرنے لگا جس کو میں نے بساط کے موافق حل کرنے کی کوشش کی ہے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ میری حالت میں انقلاب کیسے پیدا ہوا۔ جنگلوں اور جھاڑیوں کا رہنا چھوٹا، کوہ و صحرا اور مرغزاروں کی سیر افسانہ بن گئی یہاں تک کہ ہم نے پروں کے استعمال کو بھی خیر باد کہا۔ اگر کچھ فاصلہ پروں کی مدد سے طے کرنا چاہیں تو اس لئے محال ہوگا

کہ ہائے غلامی — ہائے غلامی!

گھر بنانے کا فن بھی ہم سے جاتا رہا۔ اپنے لئے گھر بنانے کی ضرورت نہ رہی، بنے بنائے گھر میں رہنے لگے۔ آدمی اپنے لئے مکان بناتا ہے تو ہمیں نہیں بھولتا کہ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہمارے لئے بھی ایک گوشہ میں اپنے مکان کی چھوٹی سی نقل اتار دیتا ہے۔ مگر ایسے مکانات سے دل گھبراتا ہے۔ تنگ و تاریک ہونے کے علاوہ ان میں ہوا کا کہیں گزر نہیں ہوتا۔ البتہ یہ لکڑی کا دومنزلہ محل تھا جس میں آرام سے ہم اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ بڑے صندوق کا ایک حصہ الگ کر کے دومنزلہ لکڑی کے چھوٹے محل میں ایک جالی اور پھاٹک لگا دیا تھا۔ درمیان میں چوکور تختہ رکھ کے ہمارے مکان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔

فائدہ یہ تھا جب کبھی اماں ابا کی لڑائی ہوتی اور دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنا گوارا نہ کرتے تو اماں ایک طرف ہو جاتیں اور ابا ایک طرف۔ لیکن اماں بھی اماں تھیں — ترچھی نگاہ کر کے جالی سے اس پار ابا کی آمد کی منتظر رہتیں مگر ضد کی پکی تھیں، جب تک ابا منا نہ لیتے، اس پار نہیں آتی تھیں۔

میں آدمیوں کی نہیں، اپنی کہانی بیان کر رہا ہوں۔ کسی میاں کو اس کہانی پر اپنی کہانی کا گمان اس لئے ہو رہا ہوگا کہ ماحول کا اثر ہوتا ہے۔ ہمارے ساتھ رہتے ہوئے وہ بھی مرغا بن جاتا ہے۔

میاں صاحب ہم سے ناراض نہ ہوں، قسم لے لو جو میں نے اپنے دل کی بات کی ہو، میں تو وہ بتا رہا ہوں جو ان کی بیگم کے دل میں ہے۔ یقین نہ آئے تو ان سے پوچھ لیں۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ہمارے ولی عہد نے اپنے چند دوستوں کو مدعو کیا۔ دعوت کے لئے کہیں سے چند چوزے بھی آئے، منہ پھولا ہوا تھا اور چہرہ پر گول دانے نمودار تھے۔ چیچک کے آثار تھے۔ ان میں سے کچھ اس بیماری کی نذر ہوئے اور باقی ہماری طرح ہم دردانہ تیمارداری اور علاج معالجہ سے بھلے چنگے ہو گئے۔ علالت میں ان کو مقوی غذائیں دی گئیں اور ناریل کے تیل میں کافور ملا کر دانوں پر لگایا گیا۔ چند روز کے بعد یہ مرض

ہمارے گھر میں بھی پھیلا مگر کافی غور و پرداخت وصفائی کی بدولت ہماری جانیں بچ گئیں۔

ہمیں سردی یا زکام ٹھنڈ لگنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس کی معمولی دوا تو لہسن ہے مگر طبیعت زیادہ خراب ہو تو سرخ مرچ کڑوے تیل میں جلا کر کھلانا اور پلانا مفید ہے۔ زکام کے مریض کو سوکھا لگ جائے تو یہ لاعلاج ہے۔ گھل گھل کر چند دنوں میں نذرِ اجل ہو جاتا ہے۔

اللہ اپنی مخلوق کو ہر مرض سے محفوظ رکھے۔ جان لیوا اور مہلک بیماریاں بھی کئی ہیں مگر اس وقت ان کے ذکر کا موقع نہیں۔

آدمی کو اپنی عقل پر بڑا ناز ہے۔ وہ اپنے سامنے کسی کو کچھ نہیں سمجھتا۔ اس کے نزدیک جتنے جان دار ہیں سب عقل سے خالی ہیں۔ میں کہتا ہوں ایسا نہیں ہے اور آدمی کا دعویٰ کوتاہ بینی کی دلیل ہے۔

مجھے لے لیجئے، میرے متعلق کس قدر افسانے گھڑے گئے ہیں۔ میری بے وقوفی کے قصے بچے پڑھتے اور ہنستے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ دو مرغے آپس میں لڑ رہے تھے۔ لڑتے لڑتے ایک نے دوسرے کو بھگا دیا۔ فاتح اڑ کر ایک دیوار پر جا بیٹھا اور اپنے بازو پھٹ پھٹا کر اظہار فتح مندی کے طور پر بانگ پر بانگ دینے لگا۔ اس اثنا میں چیل اس پر جھپٹی اور پنجوں میں دبا کر چلتی بنی۔ ہمارے ذریعے کہانی بیان کر کے نتیجہ یہ نکالا جاتا ہے کہ غرور کرنا بری بات ہے۔

میری اور چیل کی جسامت دیکھ کر اندازہ کر لیں کہ چیل کے مرغ کو اٹھا لے جانے میں کتنی صداقت ہے۔

آدمی بھی عجیب الخلقت جانور ہے۔ نادانستہ سچی بات بھی منہ سے نکل گئی ہے۔ مثلاً جب لومڑی دوڑتی ہوئی آتی ہے اور مرغ اسے دیکھ کر ایک درخت کی ڈال پر جا بیٹھتا ہے تو وہ اسے ترغیب کے لہجہ میں زبان چٹخارتی ہوئی اپنی میٹھی میٹھی مکار باتوں سے دھوکا دے کر نیچے اتارنا اور چٹ کرنا چاہتی ہے۔

اور یوں گویا ہوتی ہے، ''کیا تم نے نہیں سنا، آج جنگل میں ڈھنڈورا پٹ گیا ہے کہ کوئی جانور کسی کو نہ ستائے؟'' اتنے میں لومڑی دور سے کسی کی آواز سنتی ہے اور دُم دبا کر بھاگنا چاہتی ہے۔

مرغ کہتا ہے، کیوں بی کہاں چلیں؟

وہ جواب دیتی ہے کہ شاید موئے شکاری کتے آ رہے ہیں۔ مرغ سوال کرتا ہے کہ بقول تمہارے اب تو امن و امان کا دور دورہ ہے۔ ڈر کس بات کا؟ جواب ملتا ہے کہ شاید ان نگوڑوں نے تمہاری طرح یہ خبر نہ سنی ہو۔

کہئے اگر میں بے وقوف نہ ہوتا تو اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر ضرور جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔

حیرت ہے کہ یہ لوگ مرغی اور دوسرے جانوروں کی کہانیاں اپنے بچوں کو اس لئے سناتے ہیں تاکہ وہ انسان بنیں۔ ہمارے حوالہ سے صرف کہانیاں نہیں، نظمیں بھی مشہور ہیں اور بچوں کو سنائی جاتی ہیں۔

چنا منا دو چوزے تھے
اک دن دونوں گھر سے نکلے
دانہ چگنے باغ میں آئے
چنا اک دانہ پر لپکا
منے نے ایک کیڑا دیکھا
پتلا پتلا لمبا لمبا
منے نے چنے کو بلایا
دونوں نے کیڑے کو پکڑا
زور سے پکڑا، زور سے کھینچا
دونوں نے مل کر زور لگایا
کیڑا باہر کھنچتا آیا
کھنچتا آیا کھنچتا آیا
باہر نکلا تو یہ دیکھا
اتنا موٹا تازہ چوہا
چنا منا ڈر کے بھاگے
چنا پیچھے منا آگے

اپنا عیب خود نظر نہیں آتا۔ میں نے مانا کہ آدمی عقل کا پتلا ہے مگر کیا کبھی اس سے کوئی نادانی نہیں ہوتی؟ ہوتی ہے اور ضرور ہوتی ہے۔ اپنی بے وقوفیوں سے ہی بندہ عقل سیکھتا ہے جسے دوسرے الفاظ میں تجربہ کہتے ہیں۔

فخر و مباہات، غرور و تمکنت سے جن کا میں ملزم ٹھہرایا جاتا ہوں آدمی بھی خالی نہیں۔ یہ باتیں ثبوت کی محتاج نہیں۔ ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھئے یہ عیوب آئینہ میں خود بول اٹھیں گے۔

آدمی مہذب اور شائستہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے مگر عورتوں کے ساتھ اس کا سلوک شائستگی اور تہذیب سے کوسوں دور ہے۔ عورتیں بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ یہ لوگ ہمارے ساتھ رہتے ہیں، پر یہ نہیں دیکھا ہمارے ابا اماں کا کتنا خیال رکھتے تھے اور میں اپنی بیگم کو کتنا سراہتا ہوں۔ جانور ہو کر اس میدان میں ان سے سبقت لے گیا ہوں۔ شریکِ رنج و راحت کو ہمیشہ ساتھ رکھتا ہوں۔ جہاں جاتا ہوں ساتھ لے جاتا ہوں۔ جس سیر و تفریح سے میں حظ اٹھاتا ہوں ان میں میری مادہ کی شرکت بھی لازمی ہے۔ مجھے اگر ایک دانہ بھی ملتا ہے تو ہم دونوں مل کر کھاتے ہیں۔

آدمیوں میں تو بعض ایسے خوں خوار درندے ہیں کہ اللہ توبہ! آئے دن خشمگیں نگاہوں سے اپنی مادہ کی طرف جھپٹتے ہیں۔ پہلے پنجے اور ناخنوں سے کام لیتے ہیں اور جب اس پر بھی جی نہیں بھرتا تو درخت کی موٹی ٹہنی (لکڑی) اٹھا کر خوب دھنتے ہیں۔ اسی مجنونانہ حالت میں اٹھ کر باہر چلے جاتے ہیں اور دو دو اور تین تین دن تک گھر کا منہ نہیں دیکھتے۔ بے کس، بے بس اور مظلوم بچاری بیویاں رو دھو کر خاموش ہو جاتی ہیں۔ واہ رے تیری تہذیب اور کیا کہنا تیری شائستگی کا!

آفریں باد بریں ہمت مردانہ تو

ہوں تو ایک مشتِ خاک مگر میری سرگزشت اہل

بصیرت کے لئے دفترِ نصیحت ہے۔ میرا ایثار، بے غرضی، میری نمک حلالی اور وفاداری صحیفۂ فطرت پر زریں حروف میں ثبت ہیں۔ چشم بینا رکھنے والے ان کا مطالعہ غور سے کرتے اور ان سے مفید سبق اخذ کرتے ہیں۔

میں آدمی کی زندگی کا ایک جزو لا ینفک ہوں۔ شہروں میں سینکڑوں آدمیوں کا ذریعہ معاش ہمارے انڈوں اور بچوں کی تجارت ہے۔ مرغ بازی کے لئے اصیل مرغ اور ولایتی نسل کی مرغیاں کس قدر ملتی ہیں۔ جس کا نمک کھاتا ہوں، حق نمک ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا۔ آڑے وقت میں کام آتا ہوں۔ وقت بے وقت مہمان آجائے اور گھر میں کچھ موجود نہ ہو تو جھٹ پٹ چند انڈے بھون لئے جاتے اور دو پراٹھے پک جاتے ہیں۔ مہمان کھا کر آسودہ ہو جاتا ہے اور گھر کی عزت رہ جاتی ہے۔ بفرض محال اگر انڈے نہ ہوئے تو ''گھر کی مرغی دال برابر'' ہی سے شرط مہمان داری پوری کی جاتی ہے۔

صبح کا اٹھنا کیسا خوش گوار اور صحت بخش ہے۔ علی الصبح مؤذن سے پہلے اذان دیتا ہوں اور لوگوں کو خواب شیریں سے بیدار کر کے ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' کا اذن سناتا ہوں۔ میرے اس کار خیر سے شعرا عموماً، اور ریاکار خصوصاً نہایت نالاں نظر آتے ہیں۔ مجھے طرح طرح کے خطابات دیئے جاتے ہیں۔ مرغ سحر، مرغ بے ہنگام اور معلوم نہیں کن کن ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کا بس چلے تو مجھے کچا چبا جائیں مگر میں اپنے فرض کو انجام دینے سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ لیکن کبھی کبھی آدمی کو خیال کر لینا چاہئے۔ حیرت ہے کہ مجھے دیکھ کر نوع آدم کے منہ میں پانی ہی کیوں آتا ہے — میری بانگ ان کو سنائی کیوں نہیں دیتی —؟

میرا کام خدمت ہے لیکن آدمی کی بے حسی دیکھتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ ہم خود کو ان لوگوں کے لئے قربان کرتے ہیں جو قربانی کے جذبہ سے واقف نہیں۔ ان خدمات کا بدلہ حضرت آدمی سے کیا ملتا ہے —؟

پروں میں طاقت نہیں کہ بیان کرے۔

بس یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ارے سنگ دل مٹی کے پتلے تو اپنی رحم دلی پر نازاں ہے، مرغ بسمل کی تڑپ تجھ سے نہیں دیکھی جاتی۔ ہاں ذرا یہ تو بتا محض زبان کے چٹخارے کے واسطے میرا خون بہانا کیوں روا رکھتا ہے —؟ یاد رکھ میرا خون ناحق ضرور رنگ لائے گا اور حشر کے دن!

جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستین کا

ہاں ہاں خوب یاد آیا خوں ریزی، ظلم پسندی، احسان فراموشی اور محسن کشی بھی آدمی کی سرشت میں داخل ہے۔ اچھا آ اور میری جاں نثاری اور سرفروشی کا تماشا بھی دیکھ۔ اُف بھی کروں تو کہنا۔ چھری پتھر پر خوب تیز کر۔ بسم اللہ — اللہ اکبر۔

رکے نہ ہاتھ ابھی ہے رگِ گلو باقی

ادارہ

اولی الالباب بچے

اللہ تعالیٰ چھپا ہوا خزانہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ مخلوق مجھے پہچانے تو محبت سے مخلوق کو تخلیق کیا اور کائنات بنائی۔ کائنات اور جو کچھ اس میں ہے وہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے واقف ہونے کی نشانیاں ہیں۔ جو چھوٹے اور بڑے بچے غور و فکر کرتے ہیں وہ اولی الالباب (عقل و دانش والے) کہلاتے ہیں۔ بچو! ذہن استعمال کریں، سوچیں اور جو جواب ذہن میں آئے، ہمیں بھیج دیں۔ ہمارا پتہ ہے: بچوں کا قلندر شعور، عظیمی محلّہ، سرجانی ٹاؤن، کراچی۔

السلام علیکم پیارے بچو!

چلچلاتی دھوپ ہے، لُو چل رہی ہے اور حلق خشک ہے ـــ عمر اسکول سے واپس آیا تو پانی پینے کے لئے باورچی خانہ کی طرف دوڑا لیکن امی نے اسے روک دیا اور کہا، تھوڑی دیر ٹھہرو۔ باہر سے آکر فوراً پانی نہیں پیتے، طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ عمر نے امی سے وجہ پوچھی تو امی نے کہا، پانی ٹھنڈا ہے اور آپ گرمی سے آئے ہیں۔ ایسے میں فوراً ٹھنڈا پانی نہیں پینا چاہئے۔ عمر نے مشکل سے صبر کیا۔ پھر اماں نے اسے پانی دیا۔ پانی جیسے ہی حلق سے اتر کر جسم میں پہنچا تو عمر کی جان میں جان آئی۔

بچو! پیاس کا احساس ہمارے اندر پیدا ہوتا ہے۔ کیا صرف پانی کو دیکھتے رہنے سے پیاس بجھتی ہے؟ آپ روزانہ کتنے گلاس پانی پیتے ہیں؟ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ دن میں کم از کم آٹھ گلاس پانی پینا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''ہم نے ہر زندہ شے پانی سے تخلیق کی۔'' (الانبیآء:۳۰)

پانی کی خصوصیت ہے کہ اس کو جس سانچے میں ڈالیں، ویسا بن جاتا ہے۔ کسی بھی ڈائی میں پانی ڈالیں، رات کو فریج میں جمانے کے لئے رکھ دیں، صبح دیکھیں ـــ پانی نظر آرہا ہے یا کچھ اور نظر آرہا ہے؟

مارچ 2019ء میں اولی الالباب بچوں کو بتایا گیا کہ کائنات زنجیر کی مانند ہے۔ زنجیر کی ایک کڑی کم زور ہو جائے تو پوری زنجیر کم زور ہو جاتی ہے۔ اس نظام سے ہم کیا سیکھتے ہیں؟

(اٹک): گورنمنٹ بوائز ہائی اسکول فورملی تحصیل کے جماعت ششم اور ہفتم کے طلبا نے اجتماعی تفکر کیا۔ خلاصہ یہ ہے: جس طرح عمارت میں ہر اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے، اسی طرح ہر مخلوق دوسری مخلوق کے کام آتی ہے۔ ایسا نہ ہو تو عمارت گر جائے گی۔ کائنات بھی ایک عمارت ہے۔ اللہ کا نظام ہے کہ اللہ مخلوق کی خدمت کرتے ہیں، اس لئے ہمیں بھی اللہ کی مخلوق کی خدمت کرنی چاہئے۔ (تفکر کرنے والے بچوں کے نام: مبشر خان، زین اقبال، محمد لقمان، ہاجرہ احمد، رحیم خان، وقاص، محمد قاسم، فاخر زمان، ابوبکر، محمد نبی، طلال احمد، کاشف حذیفہ، محمد ذیشان، ریحان، محبّ شاہ، زوہیب)

صہیب، جماعت ہشتم (اسلام آباد): پودوں اور درختوں سے ہمیں آکسیجن ملتی ہے۔ درخت ہوا کو فلٹر کر کے ٹھنڈا کرتے ہیں، ان کے پھل سب کھاتے ہیں۔ لکڑی سے فرنیچر بنتا ہے۔ جڑوں کی وجہ سے زمین کا وہ حصہ مضبوط رہتا ہے اور وہاں موجود معدنیات دوسری جگہ نہیں جاتے۔ چھال اور پتوں سے ہم طرح طرح کی چیزیں بناتے ہیں، اور درخت دوائی بنانے کے کام بھی آتے ہیں۔ ہم درختوں کا شکریہ ادا کرنے کے بجائے انہیں کاٹ کر ختم کر رہے ہیں اور ان کی جگہ نئے پودے نہیں لگا رہے جس سے گرمی بڑھ رہی ہے۔ سمندروں میں مچھلیاں مر رہی ہیں۔ پرندے ہجرت کر رہے ہیں، موسم بدل رہے ہیں — زنجیر کی کڑیاں کم زور ہو رہی ہیں۔

منیرہ علی، جماعت چہارم (کراچی): رسا کشی کے کھیل میں جو ٹیم مل کر زور لگاتی ہے وہ جیت جاتی ہے۔ اور جس ٹیم کے افراد رسی چھوڑ دیتے ہیں وہ گر جاتے ہیں۔

نور خالق (چشمہ میانوالی): سورج سب کو روشنی دیتا ہے اور پھلوں کو پکاتا ہے۔ سورج سے ہمیں خدمت اور اتفاق سے رہنے کا سبق ملتا ہے۔

حسنہ نیاز، جماعت پنجم (کراچی): اماں کہتی ہیں کہ بزرگ خاندان کو جوڑ کر رکھتے ہیں۔ میری نانی جان بھی ایسی تھیں۔ عید کے روز سب نانی کے گھر اکٹھے ہوتے تھے۔ ہمیں عیدی ملتی تھی۔ نانی کے انتقال کے بعد ایک عید ایسی گزری جب سب نے ایک دوسرے کو فون پر مبارک باد دی اور کوئی کسی کے گھر نہیں گیا۔

مچھلی جل کی رانی

مچھلی جل کی رانی ہے — جیون اس کا پانی ہے
ہاتھ لگاؤ گے تو ڈر جائے گی — باہر نکالو گے تو مر جائے گی
پانی میں ڈالو جی جائے گی — سارا پانی پی جائے گی

اچھے بچو! دنیا میں جتنے گھر ہیں، اور گھروں میں جتنے افراد ہیں — اتنی ہی دنیا میں کہانیاں ہیں لیکن ہر کہانی ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے باوجود ایک ہے۔

جس دنیا میں ہم رہتے ہیں، اس کے اندر اور باہر بھی دنیائیں ہیں۔ جیسے مچھلیوں کی دنیا سمندر ہے۔ سمندر اتنا بڑا ہے کہ آج تک کسی ایک مچھلی نے اسے پورا نہیں دیکھا — حالاں کہ ہماری دنیا کی طرح ان کی دنیا میں کسی کو جہاز یا ریل گاڑی کا ٹکٹ اور خرچ نہیں دینا پڑتا۔

سمندر ایک بستی ہے۔ بستی میں رنگا رنگ مچھلیاں آباد ہیں۔ ان میں سے پانچ مچھلیوں کی آپس میں گہری دوستی تھی۔ گہرے سمندر میں یہ مچھلیاں کھیل کود، کھانے پینے کے علاوہ اپنے علاقہ کی بہتری کے لئے ہر وقت مصروف رہتی تھیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ کا ذکر کرنا اسی طرح یاد رکھتی تھیں جیسے ہم اللہ کو یاد رکھتے ہیں۔ روزانہ آدھی رات کے بعد تمام مچھلیاں جاگتیں اور اللہ کی تسبیح بیان کرتی تھیں۔

پانچوں سہیلیوں کے رنگ الگ تھے۔ سرخ، نیلی، پیلی، نارنجی اور کالی مچھلیاں رنگ مختلف ہونے کے باوجود ساتھ ساتھ پھرتی تھیں۔ کچھ لوگ تنقید کرتے کہ بندہ اپنے جیسے لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے — تم لوگوں کے رنگ الگ ہیں، اپنے رنگ کے لوگوں کے ساتھ گھوما کرو۔

وہ مسکراتیں اور کہتیں، کس نے کہا ہمارے رنگ مختلف ہیں؟ ہماری سوچ ایک ہے۔ سوچ کا رنگ ایک ہو تو جسم کا رنگ معنی نہیں رکھتا۔ باہر کا رنگ ایک ہو لیکن سوچ کا رنگ مختلف ہو تو لوگ ساتھ

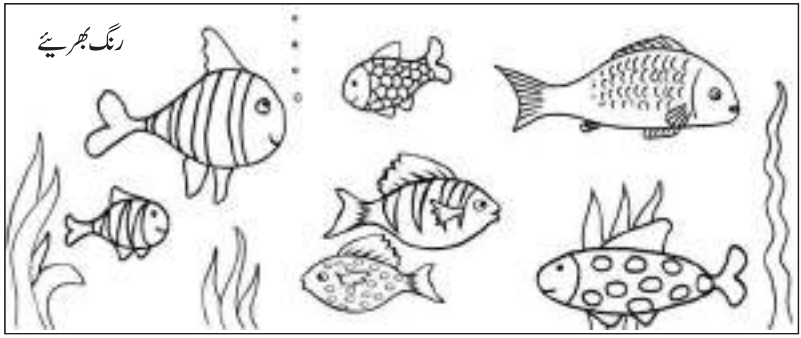

رہتے ہیں لیکن ان میں محبت نہیں ہوتی۔

دوسری مچھلیوں نے یہ باتیں سنی تو ان کی تعریف کی اور ٹوکنا چھوڑ دیا۔

ایک دن پانچوں مچھلیاں جڑی بوٹیاں اور گھاس کھانے میں مصروف تھیں کہ انہیں اجنبی مچھلی کی آواز سنائی دی۔ وہ آواز کی طرف متوجہ ہوئیں اور اسے تلاش کرنے لگیں۔ بڑے بڑے پتھروں کے درمیان پھنسی ہوئی خوب صورت مچھلی نظر آئی جو غلطی سے راستہ بھول کر ان کی بستی میں آ گئی تھی۔

سرخ مچھلی بولی، اس کی مدد کرتے ہیں۔ نیلی مچھلی نے کہا، دیکھتی نہیں ہو وہ ہم سے بڑی اور ہمارے لئے اجنبی ہے۔ ایسا نہ ہو ہم اس کا شکار بن جائیں۔ ہری مچھلی بولی، ہمیں بڑوں کو اطلاع دینی چاہئے اور ان کے مشورہ پر عمل کرنا چاہئے۔ نارنجی مچھلی بولی، لگتا ہے یہ کئی دن سے یہاں پھنسی ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ یہ نقصان پہنچائے گی۔ بڑوں نے ہی تو سمجھایا ہے کہ مصیبت میں لوگوں کی مدد کرو۔

کالی مچھلی نے سرخ اور نارنجی مچھلی کی ہاں میں ہاں ملائی، میرا خیال ہے کہ پہلے کھانا دیتے ہیں تاکہ تم لوگوں کا ڈر ختم ہو جائے۔ بھوک ختم ہوگی تو ہم پر حملہ نہیں کرے گی۔ سب کو تجویز پسند آئی۔

مچھلی کو کھانا دیا۔ مچھلی بہت بھوکی تھی۔ اس نے جلدی جلدی کھالیا۔ اس دوران پانچوں نے ایک ساتھ دھکا لگا کر پتھر سرکایا۔ اتنی جگہ بن گئی کہ مچھلی آسانی سے نکل گئی۔

اجنبی مچھلی بہت خوب صورت تھی۔ پانچوں سہیلیاں اسے رشک سے دیکھ رہی تھیں۔ پوچھا کس طرف سے آئی ہو۔ اس نے بتایا کہ شمال کی طرف ایک خوب صورت وادی ہے، میں وہاں رہتی

ہوں، وہیں میرا قبیلہ آباد ہے۔ خوب صورت مچھلی نے ان کا شکریہ ادا کیا اور اپنے علاقہ میں آنے کی دعوت دی اور رخصت ہوگئی۔

اسے رخصت کرنے کے بعد مچھلیوں نے کہا، ایسی خوب صورت مچھلی پہلے نہیں دیکھی۔ دوسری مچھلی بولی، لگتا تھا کہ شہزادی ہے۔ تیسری نے کہا، ساتھیو! ہمیں دعوت تو دے دی لیکن علاقہ کا نام نہیں بتایا نہ ہم نے پوچھا۔ یقیناً اس کے علاقہ میں اور مچھلیاں بھی حسین و جمیل ہوں گی۔ افسوس! ہم دوبارہ اس سے نہیں مل سکیں گے۔

پانچوں سہیلیوں نے سیر کا پروگرام بنایا اور بستی سے دور نکل گئیں۔ ان کا گزر ایسے علاقہ سے ہوا جہاں نئے نئے لذیذ پودے تھے۔ خوشی خوشی ان کی طرف لپکیں۔ جیسے ہی حدود میں داخل ہوئیں، سائرن بجا، سرخ آنکھوں والی بڑی مچھلیاں آئیں، ان کے گرد گھیرا تنگ کر کے گرفتار کرلیا۔ معلوم ہوا کہ اس علاقہ میں مقررہ وقت کے علاوہ کھانے پر پابندی ہے جس پر سختی سے عمل کروایا جاتا ہے۔ مچھلیوں کو گرفتار کر کے ایک عمارت میں لے گئے اور انہیں وہاں کے گورنر کے سامنے پیش کیا۔

پانچوں سہیلیوں نے صفائی پیش کی کہ ہم مسافر ہیں اور یہاں کے قانون کا علم نہیں ہے۔ مقدمہ کی کارروائی جاری تھی کہ ان سہیلیوں کے ساتھ ایک حسین مچھلی آ کر کھڑی ہوگئی۔ گورنر اس مچھلی کو دیکھ کر چونک گیا۔ جب پانچوں کی نظر دائیں جانب گئی تو وہ خوشی سے پھولے نہ سمائیں۔ ان کی جان میں جان آئی۔ یہ وہی خوب صورت مچھلی تھی جس کی انہوں نے جان بچائی تھی۔

حسین مچھلی نے گورنر سے کہا، ابا حضور! آپ جانتے ہیں چند مہینوں پہلے میں غول سے الگ ہو کر کھو گئی تھی۔ مجھے بہت تلاش کیا گیا لیکن نہیں ملی۔ یہی وہ مچھلیاں ہیں جنہوں نے میری مدد کی۔ گزارش ہے کہ انہیں جانے دیا جائے۔ ان سے غلطی انجانے میں ہوئی ہے۔

گورنر کا چہرہ روشن ہوگیا۔ بولا! آپ لوگوں نے میری بیٹی کی جان بچائی، میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ ہم اپنے قانون کی پابندی کرتے ہیں۔ آپ اس سے واقف نہیں اس لئے آپ سب کو رہا کیا جاتا ہے۔ آج آپ ہماری مہمان ہیں۔ جہاں گھومنا ہے گھومیں۔ شام کا کھانا ہمارے ساتھ کھایئے گا۔ مچھلیاں خوشی سے پھولے نہ سمائیں۔

خوب صورت مچھلی نے انہیں پورے علاقہ کی سیر کرائی ۔ وہ سچ مچ شہزادی تھی۔ مہمان مچھلیاں مہمان نوازی سے بہت خوش ہوئیں۔

عزیز دوستو! ہم آپ کو بتانا بھول گئے کہ جب سہیلی مچھلیاں ایک ساتھ گھومتی پھرتی تھیں تو گنگناتی تھیں۔ ان کی آواز لہروں کے ذریعے آس پاس پھیل جاتی اور سب کو معلوم ہو جاتا کہ کون آیا ہے۔

وہ گاتی تھیں.....

مچھلی جل کی رانی ہے
جیون اس کا پانی ہے
ہاتھ لگاؤ گے تو ڈر جائے گی
باہر نکالو گے تو مر جائے گی
پانی میں ڈالو جی جائے گی
سارا پانی پی جائے گی
مچھلی جل کی رانی ہے
جیون اس کا پانی ہے

آج ان کے درمیان نئے فرد کا اضافہ ہوا تھا اس لئے اسے بھی اپنے گیت میں شامل کرلیا۔ شہزادی نے مہمانوں کو شام کو کھانا کھلایا اور بہت عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا۔

گہرائی میں سوچئے

ایک دن احمد جنگل میں گیا، شیر، گلہری، چیتا اور بہت سارے جنگلی جانور دیکھے۔ سوچا کہ میں کہاں سے آیا ہوں اور یہ جانور کہاں سے آئے ہیں؟ گھر واپس آیا تو امی نے بتایا کہ آج تمہارے دوست عبداللہ کے گھر دعوت ہے۔ اس کی پیدائش کا دن ہے۔

احمد پھر سوچ میں پڑ گیا کہ عبداللہ کہاں سے آیا ہے؟

ایک سال بعد محلّہ میں کسی صاحب کا انتقال ہو گیا۔

احمد کو خیال آیا کہ وہ صاحب کہاں چلے گئے؟

امی سے پوچھا، سب کہاں سے آتے ہیں اور کہاں چلے جاتے ہیں؟ امی نے کہا، سب غیب سے آتے ہیں، غیب میں چلے جاتے ہیں۔ پوچھا کہ غیب کیا ہے؟ امی نے بتایا کہ غیب ہماری طرح کی دنیا ہے اور ان کو نظر آتی ہے جو تمہاری طرح غور کرتے ہیں۔

لیکن امی غیب ہے کیا؟ بیٹا! جو چیز ہمیں نظر نہیں آتی ہم اس کو غیب کہتے ہیں۔ کیا تمہارا دوست عبداللہ یہاں ہے؟ احمد نے کہا، وہ تو اپنے گھر پر ہے۔

امی نے کہا، سوچو اس کا مطلب کیا ہوا؟

دوستو! احمد سوال کا جواب سوچ رہا ہے۔ آپ بھی احمد کی طرح گہرائی میں سوچئے۔ اماں کہتی ہیں کہ گہری سوچ اس وقت پیدا ہوتی ہے جب خاموشی ہو۔

(ذہین زبیر۔ کلاس سینئر A)

محمد شفیع الدین نیرؔ

پانی نے اک دن یہ کہا

یارو سنو یہ ماجرا — پانی نے اک دن یہ کہا
سب لوگ پیتے ہیں مجھے — پی پی کے جیتے ہیں مجھے
گلزار ہے مجھ سے زمیں — پھل دار ہیں پودے کہیں
پستی میں رہتا ہوں سدا — مستی میں بہتا ہوں سدا
یارو سنو یہ ماجرا — پانی نے اک دن یہ کہا
لو تم سے سچ کہتا ہوں میں — جب زور سے بہتا ہوں میں
اس وقت بس خشک اور تر — ہوتی ہیں چیزیں جس قدر
ان کو بہادیتا ہوں میں — آگے بڑھا دیتا ہوں میں
سورج کی گرمی سے میاں! — ہوتا ہوا میں ہوں نہاں
یارو سنو یہ ماجرا — پانی نے اک دن یہ کہا
جاتا ہوں سوئے آسماں — جاکر بلندی پر جہاں
ٹھنڈی فضا کا یہ اثر — ہوتا ہے میرے حال پر
قطروں میں جاتا ہوں بدل — بادل سے آتا ہوں نکل
بارش ہوں برساتا کہیں — دنیا کو ترساتا نہیں

یارو سنو یہ ماجرا پانی نے اک دن یہ کہا

کرتا زمیں شاداب ہوں بھرتا کہیں تالاب ہوں

پودوں کو ہوں میں پالتا پیڑوں میں ہوں جاں ڈالتا

مجھ سے ہری ہیں کھیتیاں مجھ پر رواں ہیں کشتیاں

سیراب ہوتی ہے زمیں سیلاب آتا ہے کہیں

یارو سنو یہ ماجرا پانی نے اک دن یہ کہا

میں کَل چلاتا ہوں کہیں اور نل میں جاتا ہوں کہیں

بل کھاکے آتا ہوں کبھی منظر دکھاتا ہوں سبھی

چکی چلاتا ہوں کہیں بجلی بناتا ہوں کہیں

جھیلوں میں رہتا ہوں کبھی دریا میں بہتا ہوں کبھی

اپنی کہانی کہہ چکا اب تم سے ہوتا ہوں جدا

نیرؔ کا یہ سارا بیاں ہے ایک سچی داستاں

یارو سنو یہ ماجرا پانی نے اک دن یہ کہا

سب لوگ پیتے ہیں مجھے پی پی کے جیتے ہیں مجھے

گلزار ہے مجھ سے زمیں پھل دار ہیں پودے کہیں

پستی میں رہتا ہوں سدا مستی میں بہتا ہوں سدا

یارو سنو یہ ماجرا پانی نے اک دن یہ کہا

غبارے

کندھے پر بیگ لٹکائے غبارے والا جیسے ہی گلی میں داخل ہوا، بچوں نے خوشی سے شور مچایا اور دوڑتے ہوئے اس کے گرد جمع ہو گئے۔

غبارے لو غبارے
غبارے لو غبارے
غبارے لو، آیا غبارے والا
لل لل لال ہرے پیلے
نیلے ہرے لال پیلے
کتنے رنگ
اتنے رنگ برنگے سارے لایا
غبارے لو، آیا غبارے والا

غبارے والے کے بیگ میں بہت سارے غبارے تھے۔اس نے ایک ایک کر کے غباروں میں ہوا بھری اور دیکھتے ہی دیکھتے غباروں کی دنیا آباد ہو گئی۔

کچھ غبارے سرخ، کچھ پیلے، نیلے اور سفید اور ان میں کالے غبارے بھی تھے۔ جہاں نگاہ جاتی، غبارے ہی غبارے نظر آئے جن کی ڈور بچوں کے ہاتھ میں تھی ورنہ وزن ہلکا ہونے کی وجہ سے وہ فضا میں اڑ جاتے۔غبارے اڑنے سے پہلے پچکے ہوئے اور بے جان تھے۔ جیسے ہی غباروں میں ہوا پھونکی گئی، وہ پھول کر گول گپا ہو گئے۔

کسی غبارہ پر پرندہ کی تصویر تھی، کسی پر بچہ کی، کسی کی شکل ہوائی جہاز جیسی تھی اور کوئی غبارہ ستاروں کی شکل کا تھا۔ گلی میں غباروں سے رونق ہو گئی۔ اس رونق میں کمال غباروں کا نہیں بلکہ پھونک کا تھا جس نے غبارہ کے اندر رنگوں کو نمایاں کر دیا۔

غباروں کے خاندان اور قبیلے تھے۔

سب کے رنگ مختلف تھے۔

ان میں سرخ رنگ کے غباروں کا بھی خاندان تھا جو اماں ابا بہن بھائی — چار افراد پر مشتمل تھا۔

آپ نے کبھی سوچا ہے کہ غباروں کی دنیا کیسی ہوتی ہے —؟ اور کیا وہ بھی ہماری طرح کھاتے پیتے اور باتیں کرتے ہیں؟

ایک روز اماں اور بیٹی غبارہ فضا میں اڑ رہے تھے۔ بیٹا غبارہ ساتھ جانا چاہتا تھا لیکن اماں نے

کہا کہ ابا گھر میں اکیلے ہیں، ان کے ساتھ رہو۔ بھائی بہن سے چھوٹا لیکن موٹا تھا۔ وہ اماں اور بہن کے انتظار میں اچھل اچھل کر دور دیکھنے کی کوشش کرتا کہ وہ گھر کب پہنچیں گی۔

اچانک بھائی غبارہ سے ایک غبارہ ٹکرایا۔ وہ اڑا اور دور جا گرا— کسی کے ہنسنے کی آواز آئی۔ مڑ کر دیکھا تو اس کی بہن تھی۔ بھائی اٹھا اور ہنسنے پر بہن کے پیچھے بھاگا اور فضا میں پکڑم پکڑائی کا کھیل شروع ہوگیا۔ غباروں کی دنیا کے دیگر بچے بھی اس کھیل میں شامل ہوئے۔

مگر پھر کچھ ایسا ہوا کہ قہقہے خاموشی میں تبدیل ہوگئے۔ فضا میں سناٹا ہوگیا۔ کھیلتے کھیلتے بچوں کی نظر فاصلہ پر موجود ایک غبارہ پر پڑی۔ وہ سکڑ رہا تھا اور نڈھال ہوکر زمین کی طرف جا رہا تھا۔ آس پاس تمام بڑے غبارے اداس ہوگئے۔ کچھ نے آگے بڑھ کر سہارا دینے کی کوشش کی لیکن اس کے اندر موجود پھونک، جو اس کی جان تھی، وہ غبارہ سے نکلتی رہی اور غباروں کا یہ خاندان اپنے ایک ساتھی کو سکڑنے سے روکنے کے لئے کچھ نہ کرسکا۔

کھیل ختم ہوگیا اور سب بچے اپنے اماں ابا کے قریب آ گئے۔ سرخ غبارہ والے بچوں نے اماں

سے پوچھا، یہ صاحب اٹھتے کیوں نہیں ہیں، یہ تو ہم سب میں طاقت ور تھے، انہیں کیا ہوا اور ان کی صورت کہاں غائب ہوگئی—؟

اماں نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا، بیٹا ان کا انتقال ہوگیا ہے۔ اللہ نے اتنی ہی عمر لکھی تھی۔

بچوں نے حیرانی سے پوچھا، انکل کہاں چلے گئے؟ امی نے کہا، بیٹا وہ دوسری دنیا میں چلے گئے ہیں۔ بچوں نے پوچھا، کیا اب وہ وہاں غبارہ بنیں گے—؟ بیٹا میں نہیں جانتی وہاں ان کی شکل و صورت کیا ہوگی۔ ہم سب کو یہاں سے جانا ہے۔ آج وہ گئے، کل ہم چلے جائیں گے۔ بس خوش رہا کرو اور اپنے اندر موجود جان سے واقف ہونے کی کوشش کرو۔

اماں! جان کیا ہوتی ہے ــــ؟

بیٹا! جب ہمارے اندر پھونک (سانس) بھری جاتی ہے تو ہم اس دنیا میں آتے ہیں۔ پھونک ہماری جان بن جاتی ہے۔ بچوں نے اپنے اندر دیکھا، انہیں وہاں کچھ نظر نہیں آیا۔ اماں اندر تو کچھ بھی نہیں ہے، سب خالی ہے، اور پھر انکل کی جان بھی نکلتے ہوئے نظر نہیں آئی ــــ؟

اماں نے کہا، جسے تم خالی جگہ کہہ رہے ہو، اس میں موجود توانائی کی وجہ سے ہم زندہ ہیں۔ اگر جگہ خالی ہے تو تم کیسے پھول گئے؟ جب توانائی نکل جاتی ہے تو ہم مرجاتے ہیں۔

بیٹا غبارہ بولا، اماں توانائی کیا ہے، اسے کس نے بنایا ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کون ہے جس کی وجہ سے میں موٹا تازہ رہتا ہوں۔

اماں نے گہرا سانس لیا۔

بچوں نے بھی اماں کی دیکھا دیکھی گہرا سانس لیا۔ اماں نے مسکرا کر کہا، صرف گہرا سانس نہیں لینا، اس پر غور کرنا ہے۔

دیکھو! سانس جہاں سے آتی ہے، ہم وہاں سے آتے ہیں، سانس جہاں جاتی ہے، ہم وہاں چلے جاتے ہیں۔ سانس پر غور کروگے تو یہ تمہیں وہاں پہنچادے گی جہاں سے آرہی ہے۔

بیٹا غبارہ بے ساختہ بولا، اور پھر ہم سانس بنانے والے کو دیکھ لیں گے؟ اماں نے کہا، جی بالکل۔

لیکن اماں میں گہرا سانس کیسے لوں ــــ؟ باجی تو مجھ سے پہلے وہاں پہنچ جائیں گی۔

بچو! بات یہ تھی کہ بھائی غبارہ کا وزن بہن سے زیادہ تھا کیوں کہ وہ وقت بے وقت کھاتا پیتا تھا۔ کھانا کھانا اچھی بات ہے، صحت اچھی ہوتی ہے لیکن ہر وقت کھانے پینے سے صحت متاثر ہوجاتی ہے۔ اس لئے آپ وقت پر کھانا کھائیں اور صحت مند ہوجائیں۔

اماں نے بیٹے سے کہا، تمہارے سانس میں گہرائی اس لئے نہیں ہے کہ ایک تو تمہیں گہرا سانس لینے کی عادت نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمہارا پیٹ ہر وقت کھانے سے بھرا رہتا ہے۔ اب بھرے ہوئے پیٹ سے گہرائی میں سانس کیسے لیں؟

لیکن اماں اگر میں کھانا نہیں کھاؤں گا تو کم زور ہوجاؤں گا۔ بھائی غبارہ کو یہ بات اچھی نہیں لگی کہ کوئی اسے کھانے پینے پر ٹوکے۔ اس لئے وہ ناراض ہوئے اور مزید پھول گئے۔

اماں نے بیٹے کا وزن دیکھا تو پریشان ہوگئیں

اور کہا، تم ہر وقت کچھ نہ کچھ کھاتے رہتے ہو دیکھو! جسم بے ڈول ہو گیا ہے۔ چند گھنٹوں کے لئے روزہ رکھ لو۔ کیا میں تمہاری بہن اور ابا کم زور ہیں؟ ہماری صحت اچھی ہے۔ پیٹ ہلکا ہونے سے ذہن تیز ہوتا ہے اور ہماری رفتار بڑھ جاتی ہے۔ جو غبارہ ہلکا ہوتا ہے، وہ سب سے اونچا اور دیر تک اڑتا ہے۔ بھاری غبارے نیچے آجاتے ہیں۔

وہ دیکھو! بنفشی غبارہ ـــ کتنی بلندی پر پہنچ گیا ہے۔ وہ بازار کی بنی ہوئی چیزیں نہیں کھاتا۔ جس شے کو دل چاہتا ہے، اماں بنا دیتی ہیں۔ بلندی پر موجود غبارہ کو دیکھ کر بھائی غبارہ کو بات سمجھ میں آ گئی اور یہ بات وہ اپنے دوستوں کو بتانے دوڑے۔

دوستوں نے سنا تو خوشی سے اچھلنے لگے۔

پیارے بچو! ہم سب مٹی کے غبارے ہیں۔ مٹھی بھر مٹی میں سانس پھونکی گئی تو ہم پھول گئے۔ جب سانس نکل جاتی ہے تو مٹی ـــ مٹی میں گم ہو جاتی ہے۔ غباروں میں زندگی اس وقت تک ہے، جب تک ان کے اندر پھونک ہے۔ پھونک نکلنے سے غبارے غائب ہو جاتے ہیں۔

ہم بھی غباروں کی طرح ہیں اور پھونک کی وجہ سے چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، اسکول کا ہوم ورک کرتے اور باتیں کرتے ہیں۔

بھائی غبارہ اپنے اندر موجود پھونک کو دیکھنا چاہتا ہے، وہ جاننا چاہتا ہے کہ پھونک کہاں سے آتی ہے اور اسے کس نے بنایا ہے۔ کیا آپ بھی اندر موجود پھونک سے واقف ہونا چاہتے ہیں؟

میاں مٹھو

میرے پالتو طوطے کا نام میاں مٹھو ہے۔ اس کے خوب صورت سبز پر اور چمک دار آنکھیں ہیں۔ وہ چُوری اور پھل بڑے شوق سے کھاتا ہے۔ صبح سویرے سب کو سلام کرتا ہے۔ جب ناراض ہو جاتا ہے خاموش بیٹھا رہتا ہے۔ خوش ہوتا ہے تو ٹیں ٹیں کرتا ہے۔ میں اپنے مٹھو میاں سے بہت پیار کرتی ہوں۔ ابھی چھوٹا ہے اس کی دیکھ بھال کر رہی ہوں، بڑا ہو جائے گا تو اسے آزاد کر دوں گی کیوں کہ پرندوں کو قید کرنا بری بات ہے۔ (بریرہ ادریس۔ جماعت: دوم)

خواب تعبیر اور مشورہ

اللہ کے گھر کی زیارت

شگفتہ رشید، ناظم آباد۔ دیکھا کہ حج پر جانے کے لئے احرام پہنے ہوئے ہوں۔ پھر دیکھا کہ مکہ پہنچ کر نفل ادا کئے اور اس کے بعد طواف کعبہ کرتے ہوئے ''ربنا اتنا فی الدنیا'' پڑھ رہی ہوں، ''وقنا عذاب النار'' پڑھتے ہی آنکھ کھل گئی۔

تعبیر: خواب مبارک ہے۔ حج بیت اللہ کا جذبہ اور اللہ کے محبوب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضری سعادت ہے۔ اللہ تعالیٰ سب بہن بھائیوں کو اللہ کے گھر کی زیارت نصیب کرے، آمین۔

حسین رنگ برنگ پرندہ

فریدہ بانو، چینوٹ۔ دیکھا کہ شوہر کے ساتھ بے انتہا خوب صورت باغ میں بیٹھی ہوں۔ زمین خوب سرسبز اور پھول اتنے خوب صورت کہ بیان سے باہر ہے۔ شوہر کہتے ہیں، ذرا بیٹھو میں وضو کرلوں۔ ان کے جاتے ہی ایک حسین رنگ برنگ پرندہ آتا ہے جسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ اس کے منہ میں سفید رنگ کی کوئی چیز ہے جو میری جھولی میں ڈال کر دو قدم پیچھے ہٹا اور اڑ گیا۔ میں نے اس شے کو اٹھایا تو وہ مشک تھی جسے سونگھنے پر وہ خوش بو میرے دل و دماغ پر چھا گئی، بے اختیار منہ سے نکلا ''سبحان اللہ'' اور ذہن بالکل پرسکون ہوگیا۔ اٹھنے کے بعد بھی وہ خوش بو میرے دماغ میں رچی بسی ہوئی ہے۔

تعبیر: خواب مبارک ہے۔ اس خواب میں محبت کی خوش بو ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو درود شریف اور یک سوئی کے ساتھ نماز قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے اندر روحانی صلاحیتوں کا ذخیرہ ہے جس کا حصول آپ کے عمل کے تابع ہے۔ ماشاءاللہ گھر روشنیوں سے روشن ہے۔ رات کو صاف ستھرا لباس پہن کر خوش بو کے ماحول میں بیٹھیں اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ درود خضری پڑھیں اور سو جائیں۔ یہ عمل جاری رکھیں۔ دن میں ''یا حی یا قیوم'' وضو بے وضو چلتے پھرتے پڑھیں۔ جو آیتیں آپ کو حفظ ہیں ان کا ترجمہ اگر یاد نہ ہو تو حفظ کرلیں اور نماز میں جب تلاوت کریں ترجمہ پر تفکر کریں۔ نماز میں یہ تصور کریں کہ

مجھے اللہ دیکھ رہا ہے
مجھے اللہ دیکھ رہا ہے

برخوردار طاہر میاں کو بہت پیار اور آپ کو اور

بچوں کو دعائیں۔

ٹکڑوں میں خواب

محمد آصف، کورنگی۔ دیکھا کہ ایک مسجد میں دوست کے ساتھ نماز ادا کر رہا ہوں۔ مسجد ایسے ہل رہی ہے جیسے زلزلہ آ گیا ہو، دوست نماز پڑھتے ہوئے ڈگمگا رہا ہے جب کہ میں سکون سے نماز پڑھ رہا ہوں۔ محراب میں کوئی شخص جیسے چکی چلا رہا ہو۔ پھر دیکھا کہ کسی عمارت کی چھت پر کھڑا ہوں اور میرے اطراف میں خواتین دائرہ میں بیٹھی ہیں۔ بچپن کے کچھ خواب مجھے اب بھی نظر آتے ہیں۔

تعبیر: خواب آدمی عمر بھر دیکھتا ہے لیکن گہری نیند میں دیکھے ہوئے خواب یاد نہیں رہتے۔ ہلکی نیند میں خواب یاد رہتے ہیں لیکن ٹکڑوں میں دیکھتا ہے۔ چوں کہ خواب میں خیالات کی رفتار بہت زیادہ ہوتی ہے اس لئے خواب ٹکڑوں میں نظر آتا ہے۔ آپ نے جو کچھ دیکھا ہے وہ ٹکڑوں میں کئی باتیں دیکھ لی ہیں اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب ذہن یک سو نہیں ہوتا۔ اس خواب کی تعبیر میں یہ کہا جا سکتا ہے آپ کے دماغ میں انتشار ہے۔ یک سوئی حاصل کرنے کے لئے چلتے پھرتے وضو بے وضو ''یا حیی یا قیوم'' پڑھیں اور غیبت نہ کریں۔

جنت ماں کے قدموں میں

شگفتہ ناز، یو کے۔ خواب میں بچوں کے ساتھ کراچی گئی۔ مسجد میں کسی کا انتظار تھا۔ بعد از نماز جمعہ ایک خاتون، جنہیں میں باجی کہتی ہوں، کے ہاتھ میں دعاؤں کا رجسٹر تھا، وہاں کچھ خواتین و مرد اور ایک بزرگ جن کے چہرہ پر باریک سفید جالی کا کپڑا تھا تشریف فرما تھے۔ میں نے کوئی دعا نہیں لکھی اور سوچتی ہوں کہ پتہ نہیں بزرگ سے ملاقات ہو کہ نہیں۔ ان خاتون نے میرے لئے بھی دعائیں لکھ لیں جس کے لئے میں نے سوچا کہ وہی دعائیں پڑھ لوں گی۔ ان میں پہلی دعا حسد و فساد سے بچنا تھی۔ بزرگ نے میری طرف دیکھا تو مجھے بے اختیار رونا آ گیا۔ بزرگ نے مجھے بلایا، سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا، اللہ آپ کو خوش رکھے، یک سوئی کے ساتھ اللہ رب العالمین کی طرف متوجہ رہیں، بندہ کے دل میں اللہ تعالیٰ کا نور موجود ہے۔ میں مزید رونے لگی۔ لوگ مجھے دیکھنے لگے۔ میں سوچ رہی تھی کہ بزرگ سے پتہ نہیں دوبارہ کب ملاقات ہو۔ مسجد سے باہر آئی تو میری بیٹی سو رہی تھی۔ دل چاہا کہ آج واپس گھر نہیں جاؤں بلکہ کراچی میں رکوں کیوں کہ اگر باجی یہاں نہیں ہوں گی تو میں آ نہیں پاؤں گی۔ ایسا لگا کہ باجی میرے پیروں کو چھونے کی کوشش کر رہی ہیں تو میں گھبرا کر کہنے لگی، آپ کیا کر رہی ہیں۔ خوشی کی وجہ سے بے انتہا ہلکا پن محسوس ہوا۔ خیال آیا کہ بزرگ سے دوبارہ ملاقات میں آنکھ کھلنے کی درخواست کروں گی تا کہ ان سے ہمیشہ رابطہ رہے۔ راستہ میں باجی بھی ساتھ تھیں۔ میں نے پوچھا، بزرگ نے جو ارشاد فرمایا اس کا مطلب کیا ہے؟ بولیں، کیا اب بھی وضاحت کی ضرورت ہے۔ وہ مزید کہنے لگیں، یہ بزرگ شخصیت

ایک ولی خاتون کی اولاد ہیں جنہوں نے اپنے بچہ کی ایسی شان دار تربیت کی۔ باجی کے ذہن میں یہ ہے کہ وہ بھی اپنے بچوں کی ایسی تربیت کریں۔ وہ بولیں کہ بزرگ نے جو کچھ فرمایا ہر لفظ کے بے شمار مطلب ہیں۔

تعبیر: بنیادی بات یہ ہے کہ ماں اولاد کے لئے راہ نمائی کا مینار ہے۔ بزرگ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ اللہ کے محبوب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، **ماں کے قدموں میں جنت ہے۔**

دو مہینے کی بچی

—، کراچی۔ دیکھا کہ نند کا بچہ ہونے والا ہے۔ وہ گر جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کی بیٹی جلدی پیدا ہوتی ہے، میں اس سے کہتی ہوں دو مہینے کی بچی ہوئی ہے۔ ابھی اس کو نو ماہ بھی نہیں ہوئے۔ بچی بہت خوب صورت اور صحت مند ہے۔ میں اس کو بہت پیار کرتی ہوں۔ مجھے یقین نہیں آرہا کہ دو مہینے کی بچی انگوٹھا چوس رہی ہے اور میرے پاس کروٹ لے کر لیٹی ہے۔

تعبیر: احتیاط کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

دیور خواب میں

نام شائع نہ کریں، کراچی۔ دیور کے انتقال کو کچھ دن گزرے تھے کہ خواب میں عجیب وغریب چیزیں نظر آنے لگیں۔ گھر میں بھی اکیلے رہنے سے ڈر محسوس ہوا۔ گھر کے باقی افراد سے ذکر کیا تو معلوم ہوا وہ بھی خوف زدہ ہیں۔ دیور بار بار خواب میں آکر کبھی کچھ کہتا، کبھی کچھ مانگتا اور کبھی کچھ دیتا ہے۔ دیورانی بھی سوئم کے بعد اپنے گھر چلی گئی ہے۔ میرے علاوہ تمام لوگوں کو دیور خواب میں نظر آرہا ہے۔

تعبیر: مرحوم کو ایصال ثواب کی ضرورت ہے۔ گیارہ ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ کر ایصال ثواب کریں۔

پانچ پیسے

ش رخ، کراچی۔ خواب میں کزن کے ساتھ کسی شہر میں گئی۔ ایک بڑے بازار میں وہ مجھے کرائے پر دکان دلانے کسی خاتون کے پاس لے کر گیا۔ خاتون دکان دکھاتی ہیں جو ان کے گھر کا ایک کمرہ ہے جس میں شٹر نہیں لگا۔ دکان کی قیمت ادا کرنے کے بعد جب وہ میرے حوالہ کی گئی تو اچانک گڑھا بن گیا جس میں سے 5 پیسے کے بہت سارے سکے نکلے۔ لوگوں نے پیسے دیکھے تو دکان میں آئے اور جس کے ہاتھ جو لگا، سمیٹ لیا۔ کچھ پیسے میرے پرس میں بھی کسی نے زبردستی ڈال دیئے۔ کزن کو جب یہ بات پتہ چلی تو اسے افسوس ہوا کہ میری بہن بھی لالچی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کو لالچ پسند نہیں، آج میں اس سے رشتہ توڑ دوں گا۔ کسی نے بتایا کہ تمہارا بھائی بلا رہا ہے اور بہت غصہ میں ہے۔ بہن بھائی کے پاس پہنچی، جیسے جیسے اس کے قریب آرہی تھی اپنے پرس سے سکے نکال نکال کر بچوں کو دیتی جارہی تھی۔ کسی بچہ کو دو دیتی کسی کو تین، بچے بہت خوش ہوتے۔ جب میرا اور اس کے درمیان کا فاصلہ ختم ہوا تو میرے ہاتھ میں آخری سکہ تھا

جس کو ایک بچہ آ کر لے گیا۔ میں نے کہا، بولو بھائی کیا بات ہے آپ اتنے غصہ میں کیوں ہیں؟ بھائی نے بہت پیار سے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا، بیٹا مجھے میرا جواب مل گیا تم جا سکتی ہو، اللہ تعالیٰ تم پر یونہی انعام و اکرام کی نعمتیں برسائے۔

تعبیر: آپ کا خواب خود تعبیر ہے۔

سانپ کی آواز

عزیز الرحمٰن، کوٹ ادّو۔ جنگل سے گزر رہا ہوں۔ سانپ کی آواز آئی جسے نظر انداز کر دیتا ہوں۔ اچانک ایک سانپ درخت سے اتر کر بائیں ران سے چمٹ جاتا ہے جسے ہٹانے کی کوشش کے دوران ایک اور سانپ میرے بائیں بازو پر کاٹ لیتا ہے جس کے بعد دونوں سانپ چلے گئے۔ مجھے چکر آنے لگتے ہیں، بڑی مشکل سے گھر تک پہنچا لیکن باہر گر گیا۔

تعبیر: اپنا معائنہ کرائیے کوئی بیماری ہے۔ آپ کو بتایا گیا ہے پرہیز کے ساتھ علاج ہونا چاہئے۔

120 مہینے

نوید احمد، دبئی۔ عجمان مراقبہ ہال میں لنگر کے بعد لوگ بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ منظر بدلا ایک صاحب اپنی بیگم کے ساتھ کسی موضوع پر بات کر رہے ہیں، میں بھی گفتگو میں شامل ہوا۔ ہم کھلے آسمان تلے چل رہے ہیں۔ اوپر نظر گئی تو ستاروں کے خوب صورت جھرمٹ تھے۔ نظر ہٹ نہیں پاتی۔ جیسے بے شمار کہکشائیں آسمان کی زینت بن گئی ہیں۔ اس خوب صورت منظر کو محفوظ کرنے کے لئے موبائل نکالا کہ منظر بدل گیا اور دیکھا ایک صاحب کے ساتھ کہیں جا رہا ہوں۔

تعبیر: خواب طویل ہے، بہت ساری باتیں انتہائی درجہ قابل غور ہیں۔ آسمان پر انتہائی خوب صورت ستاروں کے جھرمٹ دیکھنا، یہ محسوس کرنا کہ بے شمار کہکشائیں آسمان کی زینت بنی ہوئی ہیں اور دل میں اس خواہش کا ابھرنا کہ موبائل میں یہ منظر محفوظ کر لوں لیکن محفوظ کرنے کا عمل پورا نہ ہونا، علامتیں بے قاعدگی کی ہیں۔ اس بات کو سمجھئے، آپ اسکول میں داخل ہوتے ہیں، فکشن علوم پڑھتے ہیں، اس میں کتنا وقت خرچ ہوتا ہے؟ سردی، گرمی، صبح سویرے اٹھنا، اسکول کی تیاری، گھر سے اسکول تک جانا، اسکول جانے سے پہلے ہوم ورک کرنا وغیرہ وغیرہ کتنا مشکل ہوتا ہے اور اس میں کتنا وقت خرچ ہوتا ہے؟ مہینوں میں حساب لگائیں شب و روز کی محنت کے بعد 120 مہینوں میں طالب علم میٹرک پاس ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں میٹرک کی اہمیت کسی نہ کسی حد تک ہے لیکن کیا میٹرک پاس آدمی کی M.A کے مقابلہ میں کوئی اہمیت ہے؟ مشورہ یہ ہے کہ روحانی علم دنیا کے تمام علوم کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت رکھتا ہے — اس لئے کہ یہ وہ علم ہے جس علم کی نورانیت میں بندہ اپنے خالق اللہ سے قریب ہوتا ہے، باعث تخلیق کائنات رسول اللہؐ کے مشن کا نمایاں فرد ہوتا ہے۔ روحانی علوم کے 23 باب ہیں اور ہر باب میں کتنی کلاسیں پڑھائی جاتی ہیں یہ

وہ لوگ جانتے ہیں جن کو رسول اللہؐ کے طفیل اللہ کی قربت حاصل ہوتی ہے ـــ ایسے لوگ آدمی اور انسان کے فرق سے واقف ہوجاتے ہیں۔قرآن کریم میں اس کی پوری تشریح موجود ہے۔

میاں بیوی دونوں

نام شائع نہ کریں، میرپور خاص۔کسی تقریب میں ہوں۔ہم آسمان کے نیچے باتوں میں مصروف ہیں، آسمان پر ستاروں کو دیکھنا شروع کرتی ہوں تو ستاروں کے ایک جھرمٹ پر نظر ٹھہر گئی، پتہ چلا وہ تو صحابہ کرام کے نام ہیں جو غور سے دیکھنے پر واضح نظر آئے۔ایک خاتون سے پوچھتی ہوں کہ آسمان پہ صحابہ کرام کے ناموں کی موجودگی کا کیا مطلب ہے؟ لیکن کچھ اور باتیں شروع ہوگئیں۔پھر پتہ چلا کہ وہ اپنے دیور کے لئے لڑکی ڈھونڈ رہی ہیں۔میں نے کہا، ان کی شادی تو ہوچکی۔وہ بولیں، وہ صرف بیس دن کے لئے ہوئی تھی جس کے بعد ختم ہوگئی۔اب اچھی لڑکی ڈھونڈ رہے ہیں۔مجھے شوہر کا خیال آیا کہ اب تک انہوں نے فون نہیں کیا، دل اداس ہوگیا یہ سوچ کر کہ وہ تو ہمیشہ ایسا کرتے ہیں۔

پھر دیکھا کہ ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوں جو کسی بے اولاد عورت کا ذکر کرتے ہیں تو میں فوراً سر جھکا کر اپنے آنسو چھپانے کی کوشش کرتی ہوں لیکن

ماہنامہ قلندر شعور مئی 2019ء

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر

پورا نام:..... والدہ صاحبہ کا نام: .....

پورا پتہ:.....

ازدواجی حیثیت:.....وزن (تقریباً): .....آنکھوں کا رنگ.....

نیند کیسی آتی ہے:.....بلڈ پریشر (نارمل/ہائی/لو):..... تاریخ پیدائش:.....

میٹھا پسند ہے یا نمکین چیزیں زیادہ مرغوب ہیں؟.....فون نمبر.....

خدانخواستہ دماغی، نفسیاتی مرض اور وہم کے مرض میں مبتلا ہوں تو ضرور لکھیں: ہاں / نہیں

مختصر حالات : .....

.....

بزرگ سے کیفیت چھپی نہیں رہتی اور وہ اپنے مبارک ہاتھوں سے اولاد کے لئے تعویذ بنا کر دیتے ہیں۔

تعبیر: اللہ تعالیٰ آپ کی خواہشات کو پورا کرے آمین۔ میاں بیوی دونوں کا ڈاکٹری معائنہ ضرور ہونا چاہئے۔

بچے پکڑنے والا

عائشہ رحمٰن، کوٹ ادّو۔ ایک سانپ میری چارپائی پر بیٹھا نظر آیا۔ اس نے مجھے گھیرے میں لینے کی کوشش کی تو میں نے اسے چٹکیاں بھریں جس پر وہ چلا گیا پھر بہت سارے بچھو میرے پاؤں سے چمٹ گئے۔ دیکھا کہ ایک بچہ کو گود میں اٹھائے کھڑی ہوں تو بچہ پکڑنے والا ہمارے پیچھے لگ جاتا ہے۔ میں بھاگ کر مسجد میں پناہ لیتی ہوں جہاں استاد مجھے بچا لیتے ہیں۔

تعبیر: آپ کو محتاط رہنے کی ضرورت ہے، کھانوں میں احتیاط کیجئے۔ ملاوٹی چیزوں سے پرہیز کیجئے۔ غیبت سے پرہیز کریں، جہاں غیبت ہو وہاں سے اٹھ جائیں۔ اس کے علاوہ نماز میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے اور جو کچھ نماز میں پڑھیں اس کا ترجمہ یاد ہونا چاہئے۔ ضروری ہے کہ پاکی کا خیال زیادہ رکھیں۔

ج، کلفٹن۔ **تعبیر:** آپ پاکستان میں پڑھائی کریں۔

ہسٹیریا

شدت مرض میں مندرجہ ذیل تعویذ زرد روشنائی سے لکھ کر بتی بنالیں۔ اس کاغذ کی بتی کو روئی میں لپیٹ کر فلیتہ بنا کر گھی یا زیتون کے تیل میں ایسی جگہ جلائیں جہاں مریض کو دھواں لگے۔

یَافَتَّاحُ	یَافَتَّاحُ	یَافَتَّاحُ
یَافَتَّاحُ	یَافَتَّاحُ	یَافَتَّاحُ
یَافَتَّاحُ	یَافَتَّاحُ	یَافَتَّاحُ

فرائی پان میں تھوڑی سی چینی ڈال کر آگ پر رکھ دیا جائے۔ دھیان رہے کہ چینی جلنے نہ پائے جب براؤن رنگ ہو جائے تو نیچے اتار کر آدھی پیالی پانی اس میں ڈال کر تعویذ کو دھولیا جائے۔ ایک ایک کر کے گیارہ تعویذ متواتر گیارہ روز پلائیں اور دھلے ہوئے تعویذ کا کاغذ جلا دیں۔ کھانوں میں عام طور سے جتنا نمک کھایا جاتا ہے اس میں تین چوتھائی کمی کر دی جائے اور بازار کا پسا ہوا نمک ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔ لاہوری ثابت نمک گھر میں پیس کر استعمال کریں۔

V

Takas na goyad baad azeen,
man deegaram, tau deegari"

Translation:

"I have become you, and you I,
I am the body, and you are the soul, hence no one can say then,
that I am someone else, and you are someone else"

No one in the world would have heard about it, and the ones who had been there previously would never have said – they become quiet. Perhaps, they could not find anyone who could contain the secrets.

Even they themselves had reached there after so much effort and the advices of Hoopoe. They were submerged in a sea of wonderment. Hoopoe was right when he had said, "How should I explain to you the pathway, and the destination it leads to? Everything said would become fictional when you reach there. Once you see it, that one vision will be seen in all the things you see around you."

They had lost their intellect on the way, and their tongue had forgotten how to speak. Only their hearts still beat… but in such a way, that in pure reverence to Simurgh, it beat silently.

When He concealed Himself, it was the stage of wonderment, *Maqam-e-Hairat.* When the birds came out of wonderment, they asked the courtier about the truth behind 'you' and 'I'.

Then, a voice echoed from the Special Court, "A speck is a speck and the Sun is the Sun. A speck cannot become the Sun, nor can the Sun become a speck. Whoever comes, perceives themselves under the light of the Sun, and since light and its shadow are from Sun, the seer sees themselves in the same light. Thirty mirrors formed when thirty of you came here. But even if fifty birds or more had reached here, things would have remained the same, and as many mirrors would have appeared as there were birds. You have only witnessed the reflection. Look at the reflection, and see yourself in it. How can sight perceive Me? The valleys that you travelled through were crossed because I gave you the strength to do so, else, you were very weak. Annihilate yourself into Me, and find yourself through Me."

As soon as they heard the command, all the birds annihilated, and the reflection vanished in the Sun.

Thousands of centuries had passed, but those who had reached the station of annihilation were oblivious of the state of any other bird. Suddenly, the mortal birds were ordered to appear before Him. And as soon as they received the orders, they rushed to be there in ecstasy… and their mortality attained perpetuity.

What followed after this? It is not permissible to divulge any further…

(Last Episode)

to note that Attar (RA) has used the name 'Simurgh' metaphorically). We love Him and have come to surrender before Him. We have crossed a tedious, long path to reach here. We hope that we will be treated with mercy and benevolence.

The courtier said, "It is due only to His benevolence that you have reached here. There have been many who have desired to be here, but as soon as they began their journey, they gave up. They weren't faithful to the path, so the path was not faithful to them. The pathway remained, but they turned into specks of dust."

The 30 birds had been cleansed free from the misleading work of the ego. Their bodies were lifeless, but they held enlightened hearts,and then they witnessed the *Noor* (a stage of Divine Light).

They were all in a daze. In bewilderment, they either looked at each other or to the one who enabled their sight. They realised that what they had seen till then had all been fictional, and what they were witnessing before them was the True reality.

The birds could not behold the direct sight of Simurgh – but when Simurgh removed his veil, his reflection illuminated the entire universe. It was through the reflection of his face that they saw Him, and what they saw astounded them. They looked at Simurgh and then at themselves. They were amazed and dumbfounded at how Simurgh had turned into *Si–Murgh* (Thirty Birds).

They continued to look at themselves and then back to Simurgh. But either way, they only saw Simurgh… Simurgh everywhere. Where they had vanished to, they knew not, but… ?

"Man tau shudam, tau man shudi,
Man tan shudam, tau ja'n shudi

around the candle, it entered the flame, and surrendered itself to it. No information or sign of it was left – it simply handed over its life to the candle.

All of the moths saw that moving scene and they said aloud, "Indeed, this is the path of Reality and he is the True wayfarer of the Path."

The Great Sufi, Farid al-Din Attar (RA) says, "The account of the moths turned the birds restless. Many of them lost their lives in that very phase of the journey. The rest of the anxious and confounded birds carried on with their enterprise. Several years passed by, they encountered many rises and falls along the way, but they surmounted all hurdles successfully, one by one."

Attar (RA) also says, "There are many who trudge on this path but only few reach the Special Court."

He writes, "The severe journey took its toll and a few out of thousands and millions reached there; some lost their strength against the river waves, some descended to degradation after reaching some heights, the wings of some birds were burnt under the intense heat of the Sun, some were beaten by their mighty *nafs* (ego).

Few turned into sand from the dust of the desert, and when their yearning of *visaal* (union) grew to such an extent that some of them were unable to stand its fervour, they were eventually driven to put an end to their lives. For a number of them, their feebleness and illness became a hindrance, some were lost in the sceneries of the path and hence distraction became their plight, and some disappeared in the wilderness. However, a flock of thousands of birds reduced to hundreds, which narrowed down to just 30 at the end of the journey. All of them were tired, but they were eager to unite with life. They saw the Special Court, and what they saw was indescribable – even their intellect, understanding, cognitive ability, intuition or even with their best conviction, they were unable to explain. Mercy showered all over them, and the splendid sight of beauty captivated the birds.

Eventually, a courtier appeared from the Special Court and saw how the yearning to meet Simurgh had transformed the birds. Despite the fact that the birds had reached Him after conquering splendours, precious gems, valuable jewelry, and most importantly, their ego in the journey, nothing they had seen could equate to even a glimpse of Simurgh. They were lying featherless, exhausted, and lifeless. They had already given up their lives, but their bodies still existed, and each of their organs were crying out, 'Simurgh…Simurgh'."

The courtier asked them, "Where have you come from and what do you want?''

The birds answered, "Our King Simurgh lives here (it is important

to narrate."

The birds were all ears. Hoopoe went on, "The pupil asked his *murshid* as to how eternity could be achieved after annihilation? 'Is annihilation equal to death?' he asked. The *murshid* answered, 'Annihilation is when the self merges into the True self. Annihilation is in fact dying before one's death. The individual annihilates into the Supreme Being, but their soul subsists and transfers to the next realm at a set time.' The murshid further described, 'After knowing *talab* (yearning), *ishq* (love), *maarifat* (realisation), and *Istighna* (detachment), the attributes of God are transferred into the person traveling on His path. As a result, God's thinking pattern becomes deeply ingrained within them, which leads to their negation and the cognition of the oneness of God.'

Once they attain cognition, they say that they witness the fact that nothing is eternal but God. From Him comes everything; including the thoughts we receive, the feelings of hunger, and thirst, and the urge to quench those desires come from Him. The movement within humans comes from Him. It is due to His command that blood runs in our veins and arteries, and if the blood flow stops, that too is from God.

The birth and death of all creatures happen due to Him. Their connection with God becomes so strong that their thoughts are no longer their own – this is the definition of spirituality. They accede to His will, and look for His happiness in everything they do. When *Tauheed* is deeply rooted in one's faith, everything else is negated, and what is left is the affirmation of the existence of the One Supreme Being, who is the Creator, the Lord of the universe."

After the story was over, Hoopoe told birds, "One night a swarm of moths assembled to reach a candle and decided to send one of them to the castle first to fetch information on their beloved candle. Upon reaching the castle, at a certain distance, the moth detected the candle's light. It immediately rushed back to the group and reported the entire scene.

An elderly moth, among all of them, refuted everything the informer said by saying, "He doesn't know a thing about the candle, someone else should be sent."

Therefore, another moth was sent, who went inside the castle and after hovering a little around the candle fervently, returned and narrated the entire affair as how he perceived it.

Again, the elderly in the group criticised the information the moth had brought, "He is oblivious too. Knowing few traits is not something exemplary. He only obtained a bit more information than the previous moth and nothing else."

So, a third moth went on the mission. It entered the castle, saw the candle, but instead of flying

The Diary of Birds

Summary of the Previous Episodes: Mantiq-al-Tayr (The Diary of Birds) is a marvel, authored by the pen of Farid al-Din Attar (RA), who has beautifully presented the knowledge of tasawwuf and True love figuratively in the garb of birds. Through the narrations of the attributes of birds, Attar's (RA) aim is to have the creations look for their Creator, which is only possible when we destroy our "ego", and let our intellect follow the True Reality. The Hoopoe comes forward as a messenger of the birds who introduces them to King Simurgh, by telling them of his magnificent attributes. The birds become restless in wanting to meet Simurgh and with the leadership of the Hoopoe, begin their journey. Since the journey is uneven and long, the birds become perturbed. Each of them tries to give up and narrates an excuse, but the Hoopoe tries to convince them that their pretext is weak. During the journey, when the birds set down to rest, they asked Hoopoe about their affiliation with Simurgh. Hearing the answer, the vigour to reach that high station developed within them. Hoopoe tells them of the variable nature of the world, and the consistency of the nature of the king and his relation with birds. After knowing the truth, the birds began their journey with zeal and zest. Journeying through the turbulent paths, they see the first valley of Sulook (the path of spirituality). The birds requested Hoopoe to tell them about the protocols that the journey of Sulook demands, to avoid embarrassment before the king. During the short stay in the first valley, a session of question and answer began. As they had to travel to a distant land, considering the length of time and distance, the birds continued towards the next valley. During the flight, upon a fellow bird's inquiry, Hoopoe narrates the names and attributes of the valleys of Rah-e-Sulook. Who succeeded in the test and reached the Higher Court? Find out!

Hoopoe said, "There is *Fana* (annihilation) after *Tauheed* (Oneness). Everything in this world is in the course of extinction – they appear, and then they vanish. Each dying moment proves that there is an eternity in annihilation."

The birds said to Hoopoe, "You have already told us that whoever sacrifices their life for their dearest becomes eternal. How can we understand this in a simpler way?"

Hoopoe said, "This very question was once asked by another student to his *murshid* (spiritual mentor). You will find your answer in this story that I am about

way a galactic system comprising spiral galaxies has been mapped. There are two huge arms on each side of a galaxy with additional smaller branches spreading out of each arm. Our earth is situated in one of these arms. These small branches consist of various stars and their systems. Space between them is filled with gases and dust particles.

At the center of galactic system, there is a space viewed as a hole. No telescope could record visible or invisible light being emitted by this hole. This is known as Black Hole. Around it are located only those stars which are bigger and brighter than other stars. Although the exact role of black hole is yet to be determined, it is believed that this hole has to do something with the birth of stars as the big stars are seen only around Black Holes. Galaxies and arms attached to them are frequently changing their positions.

It is believed that our earth completes a circle in our galaxy in 80,000 years. Similarly, experts have recorded data for other solar systems. According to them, where there is matter there will be force of attraction. And when there is force of attraction, there will be movement to keep the galactic system stable. Amazingly, during study and research of galactic movements a number of locations have been discovered which against scientific analysis do not move.

According to Swiss astronomer, these locations are called Dark Matter containing such invisible quantity of matter which cannot be detected by modern scientific equipment. The concentration of matter at these locations can spread to take a specific shape. It is believed that these locations provide determined quantities of matter to keep galactic branches stable.

In the context of unraveling of matter and energy, Baba Qalandar Aulia (RA) says:

"On each *Hadeerah*, over a trillion systems are located. In order to keep a system intact, non permanent systems act as stores. The process of making and breaking of non-permanent systems feeds permanent systems. Each system has skies, earth, mountains, animals, plants etc. as we see in our own system."

According to experts, 96 percent of universe is made of Dark Matter or Dark Energy. 3.5 percent is composed of gases and 0.5 percent is occupied by stars and galactic systems. Dark Matter does not change its place while other systems keep changing their locations in galactic branches. Although exact functions and structure of this matter is not known, it is observed that forces of attraction could not influence this matter.

(To be continued)

celestial phenomena will add other essential viewpoints on creation theory.

The author of the book " Qalandar Shaoor" Khawaja Shams al-Din Azeemi commented on the contemporary efforts to understand universe as follows:

"Scientists promote a material theory according to which unless there is a practical demonstration of an event or phenomenon, it cannot be accepted. These knowledgeable scientists forget that they are negating their own theory by limiting themselves to materialistic definition. They further believe that unless viewed nothing can be considered truth. This is, nevertheless, a fact that all their progress depends on an invisible light."

There is a difference between science and spiritualism. Scientific endeavours are within limited consciousness (world of senses) whereas spiritual revelations belong to sub-conscious level which is beyond time and space.

In order to study celestial bodies, new forms of light have been discovered with the help of advanced devices and a new 3D model of Universe has been formulated.

The Big Bang theory is the most popular one among all the theories of the origin of this universe. As mentioned earlier, unlike popular belief, experts consider Big Bang as the beginning point for the expansion of this universe.

As astronomy progressed as a subject, many devices and procedures were developed to analyse and study celestial bodies. Initially, through these devices only visible light could be observed. But with different experiments it came to human knowledge that there were other kinds of light. The light that we know is among many. Colours in visible lights are seen in rainbow which range from red to violet. It also became known that lights cannot pass through non-transparent bodies. But lights which have frequency below red and above violet pass through non-transparent bodies too. Their varied frequencies helped record internal structures and characteristics of various bodies. This procedure came to be known as Spectroscopy. The method helped analyse light from remote planets.

It came to our knowledge that observation of a remote planet is accompanied by an observatory error called Parallax. This means that celestial body being observed is actually situated a bit away from the location where it is being seen. This happens due to earth's movements around the Sun. For example, according to spectroscopy the distance between earth and one of the closest stars 61 Cygni is around 11 Light Years (LY).

Through prism not only the structures of celestial bodies, their axial movements and changes occurring in them have been recorded but details of remote stars and their planetary systems have also come to our knowledge. This

The Universe

Scientific endeavours are within limited consciousness (world of senses) whereas spiritual revelations belong to sub-conscious level which is beyond time and space.

In Universal system, light is used as standard to measure distances. The speed of light is believed to be 300,000 kms per second which means that with this speed 7 round trips of earth can be conducted in one second. In the context of universe, use of traditional measurement i.e. km and mile is not possible given great distances and cumbersomeness inevitably imposed by the use of several zeroes in measurement units. This led to adoption of Astronomical Units and Light years for measurement of galactic distances. The distance between sun and earth is 1 AU and between sun and Jupiter 5 AU, and between sun and the last planet, Neptune 30 AU. Likewise, distance travelled by light in one year is called one light year.

Our earth is part of solar system. Although rotation of earth, sun and other stars and planets is an ancient observation, Polish scientist Nicholas Copernicus proved in the 16th century that earth rotates around sun and not otherwise as held by contemporary religious scholars. Similarly, yet another connected belief became popular that all the planets in our solar system are linked with each other by a crystal ring.

Subsequently, this belief was rejected by scientists on the basis of the argument that had it been so, comets coming from other galaxies would break the crystal.

There are other theories too on planetary motions. Circular motion theory is one of them. According to German astronomer Kepler, all planets are moving along oval circles around sun. Initially, our earth, its moon and five other planets were visible on sky along with Milky Way. In 1609 CE, Galileo discovered more planets using his telescope. As this technology improved, more planets, satellites and comets were discovered imparting new depth to scientific observation.

Kepler not only defined planetary motion but also indicated existence of solar systems additional to ours. According to Kepler, like our solar system, all these systems follow laws of planetary motion. If we consider earth as centre the distance between these systems and our earth will come to 30 light years.

All these theories constitute an effort to observe and understand Universal system through various advanced devices. These devices help observe celestial bodies such as sun, moon and comets materially. This is one way of observing space.

A neutral way of observing

wisher," the frog claimed.

"I am hungry… I have to look for flowers," the butterfly answered.

"Where are you going to find them?" the frog asked. "Look at the tree behind you. There are flower valleys, and there is so much to eat and drink that you shouldn't worry about going anywhere else – so just relax."

The butterfly said, "But I have begun to feel hungry." The frog said, "The hunger pangs have just begun to trigger, so whenever you are very hungry, you should go only behind this tree and there you will find plenty of food. Just consider me your guardian – I will help you all the way. I promise that I will always guide you to the right path, and trust me, I will never let you be bothered by hunger."

"You have abridged my worries to some extent, but I do not think the place you've mentioned is that safe," she replied.

"This tree is the safest place because there are ants on that tree, which you have seen for yourself, whereas, on both of the adjacent trees, there are tiny bloodsucking insects, which can only be seen if you are at a close proximity. But, if you go too close, they'll eat you right up. So, this tree is the safest place, and yes, come closer, I will tell you a secret," the frog whispered

The butterfly replied, "There is no one here – just you and I. So tell me from there and I will listen."

The frog said, "O most beautiful princess of all! The colours and beauty of your wings is so dazzling that even the rainbow shies away. Your voice is so melodious that it enchants this wilderness. Look at me, I cannot run, nor do I have teeth… Why are you scared of me? And to your previous point, have you not heard that the trees have ears too? You must come close for me to tell you this secret."

After hearing all of this, the butterfly flew towards a nearby leaf and sat upon it.

The frog said, "Oh, why do you still fear so much? O brave princess! Come closer, just a little more… just another leaf."

The butterfly hesitantly flew towards the leaf closest to the frog, and as soon as she was close… the frog popped out his tongue rapidly. In an instant, the butterfly was in his mouth.

———

Dear readers, Not only is this story interesting, but it also entails an important lesson. So before reading further, ponder upon what it is that this story wishes to convey to you. After contemplation, read further.

———

Two verses from the Holy Quran are mentioned below. Try to look for the truth narrated in these verses, in the story you have just read. And we must all ask ourselves… are we not also misled, just like the innocent butterfly in the cunning frog's trap?

"And satan swore unto them (saying): Lo! I am a sincere adviser unto you" (Quran, 7:21)

"He promiseth them and stirreth up desires in them, and Satan promiseth them only to beguile." (Quran, 4:120)

———

to when you were a larva. Was it the same number of larvae then as butterflies flying around now?"

When the butterfly looked around, she, in fact, found a very few numbers of butterflies, whereas she recalled there being a greater number of larvae.

The butterfly retorted, "There is a possibility that the other butterflies have flown away!" The frog said, "You too are a butterfly, and about the same age as the others who were with you. You understand that they may not have flown far enough, so why don't you fly a little higher to see how many butterflies are airborne? Look far and wide."

The butterfly flew high enough to be able to see afar, and was surprised to see that the butterflies were still very small in number. Having seen this, she returned and spoke out of perplexity, "I have lived here for such a long time, but have yet to see an enemy. There were some birds that attacked us occasionally, but that doesn't justify how few of us there are… It seems we have a hidden enemy here."

As the frog heard this, he immediately said, "That is exactly what I've been trying to tell you. You don't know your enemies, but I have seen from my abode how those innocent butterflies fell into a trap and lost their lives."

"Ok," she said. "Tell me what kind of enemy we have, so that we can identify it ourselves and be safe?" The frog answered, "It is far taller than you, and when it assails, it does so with such swiftness that it is impossible to escape its strong blow."

The butterfly said, "You have told me that it is not only big, but swift also – but tell me what it looks like?" The frog answered, "I myself try to hide and save myself from it. Because of this, I have never had the chance to properly observe it."

The butterfly asked, "How do you save yourself from it when you have never seen it yourself?"

The frog answered immediately, "O my dear princess, are you doubting me? Look! I don't even have teeth." With this, the frog opened his mouth wide and showed it to her. Seeing this, she became relaxed and felt more comfortable. Then the frog said, "O kind princess, whatever I have said has been for nothing but your wellbeing. I am an inhabitant of this world of water, and this beautiful wilderness is a refuge to me like you. Here, I have witnessed big and large animals dying and falling prey to other animals; I have seen ants consuming elephants, and lions hunting down huge oxen with a single blow."

Astonished, the butterfly said, "What? Ants killing and eating elephants? I have never heard of such a thing. This is so strange!"

The frog said, "Oh no, not by killing, but have you not seen elephants dying? The ants too, feast on the flesh of the dead beasts."

The butterfly said, "Yes, I have seen great animals devoured by smaller ones. On that tree there, tiny ants have eaten large larvae."

"I swear, I am your true well-

The Sincere Trap

The frog said, "Oh, why do you still fear so much? O brave princess! Come closer, just a little more… just another leaf."

When we talk about jungles, the wilderness of the Amazon is discussed largely, which in fact, is the habitat of countless species. The word 'countless' is not used just figuratively, it is a reality.

Every now and then, when a new kind of bird or fish etc. is discovered, scientists claim it to be a new kind of specie that they have never seen before. That is why it is said that myriads of species are found in this jungle.

Anyhow, thousands of years ago, there existed a jungle just like it somewhere in that very part of the world, where numerous animals were seen galloping around; gazelles jumping, antelopes running, wild oxen munching grass, and herds of elephants consuming twigs. On the ground, one could see ants queued in pursuit of food, with leaves clenched in their mouths, some holding tiny pieces of hay in their jaws, some carrying seeds and some watching over everyone. Larvae could be seen, busy filling their bellies with soft young leaves, and some caterpillars were undergoing their metamorphosis into butterflies.

In the same jungle, there existed a tree that stood at a river bank for God knows how long. It had witnessed many springs and resisted several falls. This tree was the habitat for thousands of birds and insects, with its branches occupied with nests, and its low-lying leaves homes for the larvae.

One day, when the sun was mild and the temperature cool, on one of the lowest leaves, there was a pupa morphing into butterfly. It was a beautiful scene. A frog sitting in the water near the tree watched this development carefully.

Eventually, the butterfly appeared, flapped its tiny wings, stretched, and sat on a leaf where the sunlight fell directly on it. Under the light of sun, the vernal colours of the butterfly looked so magnanimous that it could mesmerise anyone. The frog too, was struck by its beauty, and gazed at it as though he had never seen anything as beautiful. When their eyes met, the butterfly blushed and she prepared to set off. As soon as the frog noticed its intentions to fly away, he said,

"O beautiful princess, where do you intend for?"

The butterfly answered, "Nowhere in particular. I just wanted to take a tour of the jungle."

The frog said, "But you don't know anything about this jungle. This is as beautiful as it is hazardous. Here, life is a blessing as much as it is in jeopardy. I have lived here for quite a long time and know many things."

The butterfly said, "I have also lived here on this tree as a larva and I too know a lot about this place."

The frog replied, "Just think back

that of Jinn, because they have the 'Knowledge of the Book'.

It was a person with such knowledge who brought the queen's throne within a fraction of a moment. God has emphasised that this knowledge is present in the heavenly books and that people can benefit from it. One does not need to be a prophet to acquire it, because this ability is present in every individual. Anyone can learn the Knowledge of the Book (*Ilm al-Asma*). If they do, they sit on a throne where they are blessed with authority over the universe, spatiotemporal limits come under their command, time negates and space reduces on their instruction.

Points for Contemplation

It is not the right-thinking approach if one asks, "Who am I to acquire this knowledge?" It is wrong to ignore our abilities thinking we are not capable. This is because God has made the attainment of this knowledge public to everyone by mentioning a person in the story of Prophet Solomon (PBUH) who had this very knowledge. To enable this knowledge, it is obligatory to think and contemplate.

It is not our intention to reduce the greatness of prophets by mentioning the law of timelessness. Prophets are appointed by God, and are best among all humans, and they are the source to all knowledge that humans have been bestowed with.

Our purpose is to explain that every member of the human race can reap benefits from the knowledge of prophets and can influence the *mawarai* (that which is beyond the scope of limited senses) world. God has mentioned the very basic principle of invention in Quran, in the stories of Prophet David (PBUH) and Prophet Solomon (PBUH):

"We gave knowledge to Solomon and David which is inspired by Me (God)."

Inspiration comes from God, whether one gets inspired through hearing or seeing. Knowledge used to descend upon the prophets of God through *Wahi* (Divine inspiration). Hence, any thought that comes into the mind through God is essentially the knowledge of God.

Many scientific inventions like the aeroplane, telephone, wireless connection, TV, computer, destructive weapons, and laser beams, were all only possible when God inspired people with these new inventions and modifications. The existence of a thing is not possible without knowledge.

It is the Divine law that if a person works wholeheartedly to achieve their desired goal, and spends their energy and abilities to seek it, their wish is granted. This is the *Sunnah* (practice) of God. It existed yesterday, today, and will continue to exist in the future too.

(Last Episode)

When Prophet Solomon (PBUH) found Yaghfoor absent, he said, "I do not see Yaghfoor? Is he really absent? If he is absent for no reason, he will be punished severely, or will be executed, unless of course he provides a legitimate excuse for his absence."

Eagle

Prophet Solomon (PBUH) commanded the eagle, who was the leader of the birds, to find Yaghfoor and bring him immediately. The eagle took off and flew to a height where his vision of the earth was reminiscent of a bowl. While surveying, he saw Yaghfoor flying in from Yemen.

The eagle instantly rushed to seize him. Startled by the sudden attack, Yaghfoor said, "For God's sake! Be kind to me and do not harm me."

The Eagle replied, "Do you know that the prophet of God intends to severely punish you or even kill you?"

When Yaghfoor heard this, he questioned, "Did the prophet of God say anything else other than this?"

The eagle answered, "Yes, he said that if Yaghfoor provides a legitimate reason for his absence, he will be forgiven."

Yaghfoor said, "Then there is a possibility of being spared."

Wisdom:

1. Prophet Solomon (PBUH) was an *Insan* (human being), who used to rule over humans, jinn, and animals.

2. No one among his subordinates dared to disobey him. Those who disobeyed would be punished*, as is apparent with what Prophet Solomon (PBUH) said about Yaghfoor's absence.

3. God used to provide provisions for the whole army that included jinn, humans, and animals

4. The account of Prophet Solomon (PBUH) points towards the fact that birds have consciousness too. The intelligence of Yaghfoor suggests that animals can also be used for the delivery of messages.

5. This story also tells us that there was a Jinn who had the ability to bring the throne of Queen Bilqees in a moment or two from Yemen to Jerusalem. The distance between Yemen and Jerusalem is about 15,000 miles.

6. It also indicates that in context of knowledge, the knowledge of a human being is far greater than

* Prophet Solomon used to punish birds according to the severity of their crime. It is said that they would be put under the heat of the sun, or given to ants to be eaten, and some of them would be caged. The culprit bird would be separated from their tribes, and such a bird would face a boycott from the rest of the birds until the duration of their punishment had ended, and then they were set free.

deep meaning. They have in them the wisdom of God.

A hoopoe is a famous bird with different coloured stripes on its body. It has a crown of feathers on its head. It can see water under the earth in the same way a person can see water in a glass. In Prophet Solomon's court the hoopoe was a searcher; its job was to search for water.

The Langar of Prophet Solomon (PBUH)

For *langar* (free meal kitchen), Prophet Solomon (PBUH) used to sacrifice 5000 camels, 5000 ox and 20,000 goats.

Prophet Solomon (PBUH) addressed the leaders of his nation after performing the *hajj* (Islamic pilgrimage), "This is the place where Prophet Muhammad (PBUH) will be born. His influence will spread to distant lands. He will give equal rights to all, be it his relatives or strangers. Anyone's ill intentions will not harm him."

The people asked, "What will his religion be?"

Prophet Solomon (PBUH) replied, "He will be on the path of *Din-e-Hanif* (the Faith of Prophet Abraham (PBUH)). Those who will live in his era will be very fortunate. Therefore, those of you who are present here should pass on my message to those who are not here – he will be the leader of all prophets – the last prophet, Muhammad (PBUH)."

When Yaghfoor, (Prophet Solomon's (PBUH) hoopoe bird) took flight to sightsee and survey the area, he flew to an altitude so high that it appeared as he was touching the sky. From there he observed a lush green and beautiful garden which caught his attention. So, he descended and settled on a branch of a green tree where he found another hoopoe bird from Yemen already perched there. They both began to talk.

The Yemeni hoopoe told Yaghfoor, "I am a resident of this country, and this garden is in the ownership of Queen Bilqees. She has many rich people in her kingdom, and an army of 12,000 warlords are under her command. My friend, where are you from? Come with me, I will show you the queen's palace so you may understand her grandeur and magnificence."

Yaghfoor replied, "My friend, I work at the court of Prophet Solomon (PBUH), and my duty is to provide him water. The prophet (PBUH) will look for me, should he need some water. When he finds me absent, it will displease him."

The Yemeni hoopoe said, "He will be happy if you convey to him the information of Queen Bilqees."

So, Yaghfoor went along with the Yemeni hoopoe to observe the kingdom of Queen Bilqees, and returned to his duty by the afternoon.

Prophet Solomon (PBUH)

It is the Divine law that if a person works wholeheartedly to achieve their desired goal, and spends their energy and abilities to seek it, their wish is granted. This is the Sunnah (practice) of God. It existed yesterday, today, and will continue to exist in the future too.

The example of the lion visiting Hazrat Nana Taj al-Din affirms that animals contain intelligence and consciousness. Their way of living is quite similar to the ways of mankind. One can imagine the intelligence of a small insect like an ant through the account of when an ant invited the army of Prophet Solomon (PBUH) and also had an intellectual discussion with Prophet Solomon (PBUH), who had a high status and was a great king.

A small creation like ant has its own way of living. Similar to humans, this tiny insect has many systems in place. Their family is based on thousands of members, with ants of varying shapes and colours. There is one queen for the whole colony and they are all under her command, and it is incumbent upon every member to follow her orders.

In their society, there exists actor ants too, and some are engineers, others are gardeners and there are even soldier ants that form an army. The sentiments to be generous and that of sacrifice are also present within them. There are ants that are tailors, scientists and even those that are free from time and space – they all perform their duties very well. How does this small creature work with such discipline and mutual cooperation? It is God who teaches them to lead such a life.

Knowledge of the Book

God has not mentioned the story of Prophet Solomon (PBUH) in the holy Quran and other heavenly scriptures to impress us. Why would God wish to impress us?

God has infinite knowledge. He wants us to move forward by looking at other people. The objective of the story is that we should opt to take the guided path. It has also been mentioned that jinn can be controlled by humans. If humans look for that knowledge within the Heavenly Book, that is called *Ilm al-Kitab* (Knowledge of the Book), then they will certainly attain the knowledge which can make them superior not only to jinn, but over the entire universe.

The wisdom of the bird called hoopoe is discussed in the story of Prophet Solomon (PBUH) and the Queen of Saba. The late arrival of hoopoe, giving information about the queen, the fact that she and her nation worshipped the sun, and how hoopoe delivered her Prophet Solomon's (PBUH) message are all points that entail a

to discomfort during a fast, thereby automating one to make the right choices of food during *Sehri* (a prefast meal eaten before sunrise) and *Iftar* (The evening meal that breaks the daily fast). One then notices that the thoughts and words that flow through a person, match the type of food they consume in their daily intake. Lawful food leads to lawful words and deeds.

Minimalistic Living Kicks-in

"Ye will not attain unto piety until ye spend of that which ye love. And whatsoever ye spend, God is aware thereof." (Quran, 3:92)

As the clutter in the mind and gut is reduced, the clutter around us reduces too. When one fasts their mind by refraining from negative emotions and thoughts and also fasts the body by not eating between sunrise and sunset, everything in their environment begins to feel like an excess. One begins to redefine the absolute essential and luxury categories in every aspect of their life. As we clean our minds and gut, we begin to give away what is in excess in our homes too. Minimalistic living occurs inside and out. The process of minimal thinking, minimal eating, and minimal sleeping leads to minimalistic living.

Reinstating Proportions of Healthy Living – 10% Food + 20% Water + 70% Energy

Limited access to everything brings back balance. As one is not allowed to drink water through the day, one drinks ample water at *Sehri* and *Iftar*. It is observed that when we are given the freedom of access, we do not initiate the intake of required proportions of food and water that our bodies require. As the fasting period leaves the body and mind free from food and drink for about 8 to 22 hours (fasting hours across the world vary), we are forced to thrive on energy. The most important feed for the mind and body is energy, which is freely available around us. Our body only requires 10% of intake as food, 20% as water and the rest of the 70% as energy. The period of Ramadan brings our bodies back to its original calibration.

So what is this energy upon which our survival is dependent on? It is the energy that sustains all — The Divine light of God –- *Noor*! In short, the period of fasting aligns us to God. And God is the only one that we need for our existence.

"God is the light of the heavens and the earth. The similitude of His light is as a niche wherein is a lamp. The lamp is in a glass. The glass is as it were a shining star. (This lamp is) kindled from a blessed tree, an olive neither of the East nor of the West, whose oil would almost glow forth (of itself) though no fire touched it. Light upon light, God guideth unto His light whom He will. And God speaketh to mankind in allegories, for God is knower of all things." (Quran, 24:35)

The month of fasting is the best blessing and mercy on mankind, if ever they contemplated why it was ordained. Fasting is a gateway to God.

to bail our souls out of our misery and sins each year!

The Twilight Zone

Abu Hurairah (RA) narrated, the Prophet (PBUH) of God said, "No prayer is harder for the hypocrites than *Fajr* and *Isha* prayers, and if they knew the reward for these prayers at their respective times, they would certainly present themselves (in the mosques) even if they had to crawl." (Sahih Bukhari)

Every religion unanimously agrees that the twilight zone is the most important part of the day for seekers on the spiritual path. The veil between the conscious and subconscious mind is so thin during this time that with slightest effort, one can access the hidden power within them and enter their 60,000 times more powerful mind and witness the unseen world. Fasting inevitably keeps us awake through the most precious times of the day which would otherwise be spent in deep slumber. I have personally witnessed the highest levels of concentration and the most influential thoughts being generated during this time.

The Real Beauty is in Being Able to Live in Your Skin

The Holy Prophet (PBUH) said, "There are two pleasures for the fasting person, one at the time of breaking his fast, and the other at the time when he will meet his Lord; then he will be pleased because of his fasting." (Sahih Bukhari)

Fasting does not only concern the abstinence of food and water, it is also a process of killing the ego through veering away from one's affiliation with extravagance. When one is focused on hygiene but devoid of artificial enhancers of beauty, one is finally able to give up the pressures of body shaming and live comfortably within their skin. The month of fasting becomes the month of self-acceptance, and we are able to experience the beautiful works of art that we are, created by God.

Cutting off Emotional Dependency on Food

God Almighty says, "O ye who believe! Eat of the good things wherewith We have provided you, and render thanks to God if it is He whom ye worship." (Quran, 2:172)

Most of mankind has developed some sort of an emotional bond with food. Many have stopped eating for the sake of satiating their hunger, and have replaced that with an emotional void in their lives, which involves of continually eating unhealthy spreads.

This has led to obesity and many other diseases prevalent in the modern day. Food has replaced meaningful relationships. Exercise used as a method to release stress has been replaced with the mindless munching of snacks. Entertainment has been reduced to people getting together just to over eat. Joy and success is shared over tables loaded with food. The result is more unhappiness and sickness. The month of fasting helps us carefully choose what we eat. Over eating, choosing greasy and spicy foods, and sugar loaded treats lead

Fasting–The Path to God

Fasting does not only concern the abstinence of food and water, it is also a process of killing the ego through veering away from one's affiliation with extravagance.

It is one thing to empathize and imagine being in another's shoe; but it is altogether another thing to wear another's shoe and live as they do. The former makes you an empathizer, but the latter makes you experienced. One's levels of empathy may fluctuate through their lifetime, but experience has a permanent impact on them that cannot be erased.

When you live in an Islamic country, Ramadan is a month that holds your complete attention. The hustle and bustle of a fast-paced life slows down, allowing people to experience life one moment at a time. Offices and businesses shut their operations down at mid-day. People deal with each other with a lot more consideration. Cars do not honk and aggressive driving is brought to a minimum. Life seems to be on a 'Let's be kind and united' mode. The surroundings seem to have more silence than sound.

However, fasting is not an unknown concept for the various cultures and religion around the world. While Ramadan is the holy month for Muslims, the month of Lent is sacred for Christians, as the month of Shraavana is important for Hindus. The Jains choose the month of the Monsoon to fast, while Buddhists refrain from eating food after noon everyday. All organized religions in the world aim for the same thing, and they do this through fasting, appeasing God, and building a deep friendship with Him.

Being accepted into the Silsila Azeemia as a spiritual student under the able guidance of our beloved and benevolent master has exposed me to a side of life that I had never experienced before. Fasting in the Holy month of Ramadan was surely one of them. My first experience of Ramadan was destined to be just a week after my *Bayat* (spiritual initiation). From then on each year, the practice of fasting during the holy month has continued to evolve my experiences and overall self-awareness.

The Reward

The beloved Prophet (PBUH) said, "(God Almighty says about the fasting person), He has left his food, drink and desires for My sake. The fast is for Me. And I am its reward."

This declaration from God knocked me off my feet and made me kneel down in absolute gratitude and humility before His kindness and mercy on a sinner like me. He made Himself the reward for our fasting. He, the most precious, the most powerful, for the union with whom, hundreds and thousands of men of God have shed tears of blood, is actually making our access to Him so easy! What a valued offer

but then I heard a voice that said, 'Send this boy to his home, immediately.' And at the very next moment, I was home."

The mother said, "You must believe that this is how it happened. Hazrat Habib Ajami (RA) prayed for you and God showered us with his mercy."

She took the boy to Hazrat Habib (RA) and thanked him. He replied, "O' lady! Thank the Lord. He liked your act of charity. Charity can turn away trouble, therefore one must give charity."

Hazrat Imam Yafi (RA) said, "During a drought at Basra, Hazrat Habib Ajami (RA) bought food from somewhere and distributed it among the needy. The food was so blessed that many people had it. He then tied knots on some bags with a thread and asked God for His blessings. In the meantime, those who had sold food to him came over to ask for payment. Hazrat Habib Ajami (RA) picked up the bags he had tied, and as they were quite heavy, he opened them to see their contents. They were brimming with dinars. The dinars were counted, and the money turned out to be equal to the food's payment. In this way, the poor were fed, and everyone was given their share of payment as well."

It was Hazrat Habib Ajami's (RA) practice to buy things from traders and give them in to charity. He once bought some items but when it came time to pay, he realised he had no money at that time. He prayed, "O' God! People hold high regards for me, and how you have blessed me is a secret. Therefore, please save me from embarrassment before them." When he came home, he found a big bag filled with dirhams. When he saw it, he said, "O' Lord! I did not ask for so much." He took some dirhams as per his need for payment, and distributed the rest among the deprived.

Hazrat Ali Hujweri (RA) writes in the book '*Kashf al-Mahjoob*'* "People asked Hazrat Habib Ajami (RA), 'In what thing lies the happiness of God?' He replied, 'It lies in a heart devoid of segregation, as division is against unity. And division lies nowhere near love, and it does not synchronize with the will of God. Those who follow God are happy in His will, whereas division is a quality of people who are enemies of God.'"

Hazrat Habib Ajami (RA) learnt from his past mistakes, strived hard and attained high ranks of knowledge and cognition. He belongs to the group of saints from early times. He was called *Ajami* (non-Arab who is not fluent in the language) because he was not good with Arabic pronunciations. Many great Sufi scholars of his time used to visit him and attain blessings. He passed away on the 3rd Rabi al-Thani, 156 Hijri. His shrine is in Baghdad.

---

* Revelation of the Veiled

V

young person came with a tray containing food, along with 500 dirhams. Hazrat Habib (RA) distributed the dirhams among the people, and the scholar and he ate the food from the tray. Hazrat Habib (RA) said, "It is important to have faith along with knowledge."

Some people were at the bank of the river Tigris, when Hazrat Habib (RA) arrived there. He inquired as to what they were doing there. They said, "We are waiting for a boat, so it may take us across the river." Hazrat Habib (RA) responded, "Rather than waiting for a boat, trust God and walk on the water." They asked, "How can we do that?" He replied, "Follow me." So Hazrat Habib (RA) walked and reached the other side of the river by walking on the water. When people saw him, they asked, "How did you acquire this status?" He replied, "I continually clean the dirt within me, and do not allow it to pile up, and hence God blesses me."

There was a man who became jealous of Hazrat Habib (RA). He used to think, "Why is he given such a status with his corrupt past?" A revered man came to him in a dream and warned him, "O' jealous and ignorant one! Habib (RA) is a friend of God and a friend likes the ways of their friend. Only a few people have faith as Habib (RA) has in God. God never leaves His friends alone. It is His will as to when to raise someone's rank or throw them to the lowest level. Habib (RA) remained drenched in the self until he listened to himself, and when he rose above his desires on the will of God, God took no time to elevate him to a high status. It is a blessing of God that despite a corrupt past, Habib (RA) has a great present and future."

The man admitted to the revered person that he was envious of Hazrat Habib (RA). The pious man replied, "Strive hard and pray to God to give you such a status instead of being envious. Jealousy deprives one from this world and the hereafter too."

Once, a worried woman came to Hazrat Habib (RA), and told him about her only son who hadn't returned home after his teacher had sent him to buy meat from the market. Hazrat Habib (RA) asked her, "Do you have some money at the moment?" She said that she had two dirhams. He said, "Give them in to charity," and then made a prayer, "This woman has come to me to request to make a prayer to you. Please help her out of her trouble. She trusts me, and I believe in You. Please return her child."

Hazrat Habib Ajami (RA) reassured her that if God willed it, the child would return. When she went back home, she found her son there, but he was very surprised and upset. He narrated, "When the teacher sent me to buy meat in the morning, a gust of strong winds lifted me up in the air. I knew I would not survive it

righteous means."

He went away to look for work and when he returned, he told his wife, "The wages will be paid after ten days." When he returned from work on the tenth day, his wife told him about a person who had given her money with some other things and said, "Habib (RA) will earn more wages if he works more diligently." Hazrat Habib Ajami (RA) replied, "This is a sign from God. I strived unwillingly, and God still gave me a brilliant return. I will be blessed further if I work harder."

Hazrat Habib Ajami (RA) once said, "A person does not go astray suddenly. It starts from things that do not seem important in the beginning, but their end is nothing but destruction."

On the topic of the propagation of the Oneness of God, Hazrat Habib (RA) said, "One's faith cannot be strengthened unless they acknowledge the Oneness of God, as an individual who has many gods cannot adhere to one God. It is important to believe in One to become truthful. If someone trusts wealth or expects anything from any other than God, they have committed *shirk* (polytheism). Do not go near duality as the Quran has pointed towards this in such words, 'The Earth and heavens would have destroyed if there were gods except God.'"

Hajjaj ibn Yusuf sent out the arrest order for Hazrat Hasan Basri (RA) for some reasons. Hazrat Hasan Basri (RA) hid at Hazrat Habib Ajami's (RA) place. When policemen appeared in search, they asked Hazrat Habib (RA), "Where is Hasan?"

He replied, "Inside." The policemen went inside but found no one there. They spoke to Hazrat Habib (RA) again and asked, "Why have you misinformed us?" He replied, "I am not to be blamed if you cannot see him."

When the policemen left, Hazrat Hasan Basri (RA) said, "Habib! This is how you return the favour for being my student?" Hazrat Habib Ajami (RA) replied, "We both have been freed due to speaking the truth, else we would both have been arrested. I made a prayer, 'O' God, protect Khwaja Hasan (RA)'. And look at how God protected us."

Many people saw Hazrat Habib Ajami (RA) during *Hajj* (Islamic pilgrimage) at Arafat. On their return, they found that he had not left home and had remained in Basra the whole time.

One day, a scholar was having a meal with him that contained barley bread. At the same time, Hazrat Habib (RA) heard a beggar's call for some food, so he gave the bread to the beggar. The scholar said, "It would have been better had you adhered to ethics. Do you not know that a meal should not be removed when it is laid before someone? You could have given just a portion." Hazrat Habib (RA) said nothing. Shortly, a

who had quoted Prophet Muhammad (PBUH) as saying, "Feed the hungry, visit those who are sick, and make efforts to set inmates free." (Sahih Muslim)

Hazrat Habib Ajami (RA) felt terrible for the way he had lived, and sat there with his head bowed. After the gathering was over, he told Khwaja Hasan Basri (RA), "Hazrat! I want to repent working in the interest business. I forgive all of my loans on people, and want to spend what God has blessed me with in His path."

Khwaja Hasan (RA) was elated to hear this and said, "May the most Gracious and Merciful God accept your repentance. Spend your life in earning lawful means, in repentance and in prayers of God. God willing, He will elevate your status."

Hazrat Habib (RA) kept crying, and requested a prayer for his steadfastness. Khwaja Hasan Basri (RA) made a prayer for him, "O' creator of the earth, heavens and the universe! Accept repentance of your servant Habib Ajami, make him resolute in his plans, keep him protected from waste of actions and firm on the path of the Truth. Indeed, you are Benevolent and Merciful."

On his way home, Hazrat Habib (RA) saw a man who had borrowed money from him. He asked the man to come along with him so that he could give him a written note to verify that his loan was waived off. The person surprisingly said, "I would never go to your home. You compare everything to money, and have no sympathy for anyone."

Hazrat Habib (RA) replied, "Ok, take me to your home, I will write it there." The man refused again and said, "You will humiliate me in my neighbourhood by creating a scene there – please excuse me." Hazrat Habib (RA) became quiet for a moment and then said, "Bring me a pen and a paper and I will write it here." The man was astonished and went to get the said things.

Later when Hazrat Habib Ajami (RA) reached his home, he wrote letters to all his debtors that they were not liable to pay him anything anymore. He then announced, "If there is someone who owes me money, wherever they may be, they may come and collect the waiver agreement. I seek forgiveness from all those who suffered because of me." Later, he distributed his belongings among the people.

Hazrat Habib (RA) built a place to stay near the river Euphrates, and remained busy in the remembrance of God. One day, his wife told him about the shortage of basic things at home. He said, "I have spent all of my wealth in the cause of God on your advice and have adopted a simple life. From where should I bring money now?" His wife replied, "You must offer prayers, but God has also advised to fulfil the rights of the people as well. You should make efforts to earn through

your way!" The beggar angrily snapped, "So you will be left hungry by feeding me? That's okay – I will ask no further, but just remember, no one can satisfy their hunger if God wishes to keep them hungry. I pray to God to keep you hungry today." When Hazrat Habib's (RA) wife heard this conversation, she asked him to give food to the beggar, but he paid no heed and closed the door.

The beggar was an angel in the guise of a man. To prove the beggar wrong, Hazrat Habib (RA) asked his wife to bring the food she had cooked. She was left stunned however, when she removed the lid of the pot … There was blood instead of curry. She said to her husband, "You were always a miser, sucked people's blood, made their lives miserable by burdening them with loan over loan, and today you even turned away a beggar who only asked for some food. Now look, this is how his curse has worked. Go and find the beggar and seek repentance, else trouble may find its way to our home permanently."

Hazrat Habib Ajami (RA) went out to find the beggar but could not find him anywhere. His wife advised, "You should adopt a manner in which the beggar will return himself." He asked, "And how shall I do that?" His wife replied, "Waive off people's loans."

He asked, "Then how will we earn a living?" She replied, "Up till now, we have enjoyed a luxurious life but have not found peace. However, we may find it if you earn money through lawful means. Providing sustenance is the work of God, we can only struggle."

He began to think as to how he could earn a living, but doubts shrouded his mind. When the struggle within him to choose between right or wrong began to increase, the words of his wife echoed in his mind. Suddenly, his heart turned away from the interest based business. He prayed to God, "O' God, please guide me to the straight path." Once he made the prayers, he felt relaxed and peaceful.

It is told that Hazrat Habib Ajami (RA) came out of his house and announced, "I waive off the loans of all those who owe me money. Come and get this in writing from me." When people heard this, they warned each other and said, "Going close to him is equivalent to touching hell fire." Hazrat Habib (RA) was discouraged by these words, but persevered and walked towards the gathering of Khwaja Hasan Basri (RA).

The topic of lawful earning was the subject of discussion at the gathering of Khwaja Hasan Basri (RA), who narrated and discussed verses of the holy Quran, and sayings of Prophet Muhammad (PBUH).

"O ye who believe! Spend of the good things which ye have earned, and of that which we bring forth from the earth for you." (Quran, 2:267)

Khwaja Hasan Basri (RA) spoke of Hazrat Abu Musa (RA),

Hazrat Habib Ajami (RA)

"A person does not go astray suddenly. It starts from things that do not seem important in the beginning, but their end is nothing but destruction."

Hazrat Habib Ajami (RA) was from Persia. His father was very rich and had a strong desire for wealth. He inherited this personality trait from his father and started an interest-based loan business, giving loans to the poor people of Basra (Iraq). When they became unable to pay back the loan, he would ask them to pay for his travel expenditures. This was the way he had chosen to make his living.

One day, he knocked at the door of one of his debtors. A woman opened the door and told him that her husband was not home. He replied, "It is okay. I am just here to collect the instalment." The woman said, "My husband will make the payment." Without any hesitation, he said, "If you do not pay the instalment, then you must pay for wasting my time." Annoyed, the woman said, "How can I pay when we don't have money?"

But Hazrat Habib Ajami (RA) was persistent to not leave empty handed. The woman lost her temper and thought him incredibly insensitive to ask for money despite being told of their problems. She said, "We slaughtered a goat yesterday. You can take its head – there is no meat left." Hazrat Habib Ajami (RA) took the goat's head to his home and asked his wife to cook it. This was his usual behaviour.

People were very sick of Hazrat Habib Ajami (RA), and would run away at his sight. Anyone who saw him would curse him but this too had no impact on him. The only thing he worried over was his wellbeing.

One day, a beggar knocked on his door and this made Hazrat Habib (RA) angry. He told the beggar, "I myself take money from people, and you have come to ask from me." The beggar said, "At least give me some pieces of bread." Hazrat Habib (RA) tried to shut the door in anger, but before he could do that, the beggar said, "O' Habib, I am your student. You never return without taking something from people, and so I will do the same. There is a share for the poor in your wealth. I am here to collect it." Hazrat Habib (RA) replied, "Had this been someone other than you, I would have taken money from him for wasting my time." The beggar responded, "Habib! If stinginess takes over the heart, then money becomes destruction. What have I asked from you… only bread, and you are not willing to even give that? May God have mercy on you."

Hazrat Habib Ajami (RA) harshly refused the beggar and said, "It would not satisfy your hunger even if you were given something to eat, but , if I did, I will remain hungry. Go! Find

V

This write-up explains through various examples that rather than seeing things at the surface level, one should explore life and its mechanisms behind what is apparent. The course of life is sustained on information, as it beholds the command of God in the form of images. Those who are unaware of their reality cannot acquaint themselves with the reality of anything else.

Everything that came into being, is the proclamation of "*Kun"* (Be), therefore, the mechanism embedded in the command of *"Kun"* is present within everything. This engrained mechanism is unveiled to those who abstain from average thinking patterns and the best way to cultivate this trait of abstinence is through fasting.

In the month of Ramadan, when one eats, drink and talks less, and is inclined towards God all throughout the day, they become free from self-centered thinking. Self-centered thinking gives birth to dimensions. A sight that defies dimensions however, enters into the plane of *Noor* (God's Divine Light).

"God is the light of the heavens and Earth." (Quran, 24:35)

Everything in the Earth and the Sky is the *Noor* of God, and the attribute of *Noor* defies dimensions.

God has mentioned five of His attributes in Chapter *Ikhlas* of the Quran. One of them is *Be-niyazi,* which means to be devoid of needs because God is beyond dimensions. When an individual makes an effort to adhere to the *Be-niyazi* attribute by talking, eating and sleeping less, and turning towards God for all of their needs, it is easier for them to attain the blessings of fasting. God says,

"Fasting is for me, and I am its reward."

May the Benevolent and Merciful bless all with the reward of fasting.

Amen.

Ramadan Mubarak.

May God protect you.

God has made everything from water. Water has the tendency to adopt its shape to the mould it is held in. In fact, the mould itself is made from water. When we drink water, the colours within us are manifested, and when it is consumed by the earth, it surfaces in the form of variegation. Water is referred to as *al-sahab al-siqal* in Chapter *Raad* of the Quran. *Sahab* and *Siqal* are Arabic words for clouds and gravity respectively. It is gravity that brings out dimensions in objects, and since every object is made out of water, one can understand that when it rains, the droplets of water contain dimensions within it.

As water is responsible for dimensions within creations, the birth of everything from nothingness to various forms is possible through it. When water evaporates, an object disappears. This act of disappearance does not mean that the object has gone extinct however.

An average mind does not go beyond its desires, and aims at satisfying its needs alone. For instance, there is not a single day that passes without drinking water as it satiates thirst. But do we ever give thought to the feeling of thirst itself and how it is quenched?

A faint weight is felt on a mind when information descends, but at this stage, its impression is subtle and beyond the grasp of the being. This stage is called *Wahima* in *Tasawwuf*. 2. As *Wahima* takes root, the impression begins to clear. 3. If the mind remains centered upon the information descending, its impression becomes vivid.

A young man asked an elderly man, “Why does information descend in the form of imagery?”

The elderly man said, “Ponder upon your mind, you will find nothing but images there. They hear, see, talk, understand and also have an ability to look within. But tell me, is it that image in your mind that is causing those movements?”

The young man paused for a moment and said, “No, sir! Images are reflections, and reflection is an emulation.”

“Then who is it that causes the movement?” the elderly man asked.

“The one who bears the images in their mind,” came the instant reply.

“The universe is a reflection of The Will of God.” said the elderly man. “Considering the answer you’ve just given me, tell me, what is the universe and what is our standing in it?”

Hearing this, the young man became immersed in his thoughts… and then a smile flickered across his face.

The elderly man said, “You’ve got the answer to your question.”

---

cause their minds are not used to moving into the depths of a matter. This action reflects a self-centered pattern of thinking shrouded by colours. However, the colours should not merely be seen as green, blue, and yellow; they are dimensions. Look up at the sky – do you see dimensions there? Why they are not visible? Can the colours red, blue, black and white be defined as the sky? If the sky is blue in colour, then where does this blue colour disappear to as the day transcends?

Is there anyone who contemplates what the sky is? The sky is free from dimensions. Those who muse over it are guided by Divinity that what they otherwise deem as a tangible canopy, is in actuality a combination of lights. As light cannot be perceived by the confined senses, when one looks at the sky with limited consciousness, their vision fogs up. This obscurity is then perceived by them as the sky.

Fog is a phenomenon that engulfs tall mountains, highways and structures; and everything that it covers vanishes away from sight. But despite their apparent invisibility, the structures remain where they are. The same phenomenon applies to the sky. The sky is a mirror for the earth. Since the senses on earth are covered with fog, this fogginess is therefore reflected on the mirror of the sky. As a result, when one looks up, they do not see the sky – what they see is a reflection of their minds. The Quran highlights this pattern of thinking as,

> "And verily in the heaven We have set mansions of the stars (*burooj*), and We have beautified it for beholders. And We have guarded it from every outcast devil.'' (Quran, 15:16-17)

While giving an account of someone's personality, it can be said that they are beautiful, well-mannered and possess noble qualities. However, these features only refer to their characteristics and do not define who they are. If a well-mannered person misbehaves, this misconduct alters their image and people then describe them as ill-mannered. An average mind assesses life and behavior in an average manner, that is, on the exterior plane only. These are those people who have considered a person both beautiful and ugly. What is the basis of their judgement? They base their judgement on behaviour. While forming these opinions, the underlying factors that cause reactions and behaviours are typically ignored. Without knowing how someone is from within, they judge through a filter.

Why do our judgements go wrong? Why do we not know someone even after spending years with them? We consume things throughout our life yet remain oblivious of their reality. Do we even have an ability to know anything?

Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) says:

Har cheez khayalat ki hai paimaish,
hain naam k dunya main gham-o-aasaish,
Tabdeel huwi jo khaak goristan main,
sab koocha o bazar ki thi zaibaish

Translation:

It is all a measurement of thoughts, this world's joy and grief in which we're caught, As clay settles in its grave, you'll see that it was décor once so sought.

A sight free of partiality or dimensions sees things as they are. For instance, if one wants to observe the garden in its true form, their personal opinions must not hinder the vision. If not, the garden will fade into the backdrop, and their feelings will dominate the surrounding. When a person is not ruled by pleasure and pain, they enter into infinitude.

An individual spends four seasons among lush green trees and gardens, and observes the scenes being altered numerous times. But despite repetitive alterations, there is no change in their cycle. The change, which we refer to as summer, winter, autumn, and spring, does not determine what the garden is. These seasons are analogous to infancy, adolescence, youth and old age, and define dimensions of life. What we assume the garden is, in actuality, is something else entirely!

We identify an object through its physiognomy, but appearances change, and hence assessments turn out to be wrong. Despite all of this, we do not think on how a child transforms into an adult. Why do they turn old? How does a garden that was inflicted by autumn now bloom and what does the arrival of summer after spring indicate? Why do leaves fall? How do fallen leaves mix and merge with clay and what does their transmutation signify? What is it that we refer to as clay? And what becomes of those colours that turn desolation into colouration and colouration into desolation?

Dear readers, a change in emotions affects the state of mind, but if the mind maintains its equanimity, it remains unperturbed. What is equanimity? It is an evenness of the mind that gives one freedom from self-references.

For example: When one's sight fixates on the sky, it must be free from all references to truly understand what the sky is. Else they will not see the sky, rather the pre-conceived ideas in their minds.

The sky seems to be blue or white in colour to the average person be-

Message of the Day

The scope of life is infinite, but as everyone views life within their own spectrum it is confined into dimensions. Dimensions are the images created by the mind in accordance with one's thinking pattern, which obscures the limitless expanse of life. A life that is free of dimensions is explained in the Quran as,

"Thee we worship; Thee alone we ask for help." (Quran, 1:4)

God is the pivotal point of existence, and any path that leads elsewhere is deviation. The attributes of God are infinite, and infinity can be denoted by a circle. Although, a circle in itself is a dimension, its facets, such as the apparent and the concealed, and the first and the last, are all uniform. Contrary to this, the attributes of the creations are finite, and are denoted by a triangle. Both circle and triangle are encompassed by God. However, God attributes one mode of life as *Ahsan* (the best), and the other as *Non-Ahsan* (the worst). When a creation is acquainted with its link to the infinity, its life breaks free from the edges of the triangle and harmonises itself with the line of the circle.

> "Unto God belong the East and the West, and whither-so ever ye turn, there is God's countenance. Lo! God is All Embracing, All Knowing." (Quran, 2:115)

Two men are sitting in a lush garden where colourful flowers are swaying from a cool breeze, and butterflies fly between blossoms. Despite this scenic view, one of them is gloomy; for him the blooming garden appears as deserted and unhappy as he is. But the other man enjoys the greenery to its fullest. At this stage, if doubt enters the mind of the happy person, and the unhappy man finds a ray of hope in the gloom, consequently, the beauty of garden will fade away for the former, and the latter will now see the garden as beautiful. Did the alteration in their feelings affect the nature of the garden? No, it did not. The garden remains as it is with all its components.

Both men are sitting in the garden and yet, none has paid attention to what it really is. In fact, what they do is see within themselves and surmise their feelings to that of the garden. This example brings forth a question – if the experiences of the viewers are confined to their feelings, then what do they really see?

Contents

Message of the Day	K. S. Azeemi	172
Hazrat Habib Ajami (RA)	Muhammad Zeeshan	167
Fasting -The Path to God	Bibi Anuradha (UAE)	161
Prophet Solomon (PBUH)	Extracted	158
The Sincere Trap	Muniza Azhar	153
The Universe	Dr. Naeem Zafar (Ph.D.)	150
The Diary of Birds	Hazrat Farid al-Din Attar (RA)	147

"Desires make slaves out of kings and patience makes kings out of slaves."

- Imam Ghazali (RA)

Vol 7 Issue 4 | May 2019 | Shabaan — Ramadan 1440AH

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Monthly Karachi

Qalandar Shaoor

Neutral Thinking

(Urdu — English)

Patron in chief
Huzoor Qalandar Baba Auliya RA

Chief Editor
Khwaja Shams al-Din Azeemi

Editor
Hakeem Salam Arif

Circulation Manager
Muhammad Ayaz

Furnished by Azeemi University Press. Shah Alam Azeemi, the Publisher has published it at Ibn-e-Hasan Offset Printing Press, Hockey Stadium, Karachi and disseminated at Surjani Town Karachi.

Rs.70/- Per issue. Annual subscription Rs.950/- with Reg. Post (Domestic), US$ 60/- (International)

Contact: B-54, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town Karachi, Pakistan. Ph: +92 (0)213 6912020